نمبر	نام کتاب	سنہ تصنیف و تالیف	زبان	مطبوعہ غیر مطبوعہ
۶	نجات الصائمین	سنہ ۱۳۵۴ھ	گجراتی	طبع ہوئی
۷				
۸	دین اسلام و تکلیف مسلمین	سنہ ۱۳۵۴ھ	//	مطبوع
۹	تکلیف ملت یا عمل ارکان اسلام	سنہ ۱۳۵۴ھ	//	مطبوع گردید
۱۰	احکام نوروز	سنہ ۱۳۵۴ھ	//	ترجمہ گجراتی شایع ہوا
۱۱	احکام محرم عاشورا	سنہ ۱۲۵۴ھ	گجراتی	طبع و شایع ہوا۔
۱۲	فلسفہ عید و اجتماع مسلمین	سنہ ۱۳۵۱ھ	فارسی	طبع ہوئی
۱۳	تاریخ قربانی و حکمت تشریع	سنہ ۱۳۵۲ھ	//	//
۱۴	دین اسلام	آن سنہ ۱۳۵۴ھ	//	غیر مطبوع
۱۵	مجالس نجفی مشتمل بر تقریرات	روز جمعہ	۔	(کتاب جامع مختصر متعلق بدین اسلام مطابق مذہب شیعہ اثنا عشریہ قریب الاتمام)
۱۶	متفرقات نجفی از رطب و یابس	۔	غیر مطبوع	غیر مطبوعہ جو فی الحقیقت کشکول علوم ہے اور موضوعات مختلف پر مشتمل ہے
۱۷	مقیاس المقادیر	سنہ ۱۳۳۶ھ	عربی	غیر مطبوعہ
۱۸	ترجمہ مقیاس المقادیر	سنہ ۱۳۳۶ھ	فارسی	//
۱۹	سنن الجمعہ	سنہ ۱۳۴۹ھ	فارسی و اردو	
۲۰	مقدمہ نجفی در اسرار حج	سنہ ۱۳۴۹ھ	//	//
۲۱	خصوصیات الجمعہ	سنہ ۱۳۴۹ھ	//	ترجمہ اردو و گجراتی غیر مطبوع
۲۲	فلسفہ نماز	سنہ ۱۳۵۰ھ	//	غیر مطبوع
۲۳	تنبیہ الامہ در وجوب عینی نماز جمعہ	سنہ ۱۳۵۴ھ	//	(مشتمل ہے احادیث و اخبار و مواعظ و نصائح)
۲۴	وسیلۃ الکلام	سنہ ۱۳۵۳ھ	//	//
۲۵	اخلاق یا حکمت عملی	۔	//	//

احکام الشرعیہ مجلہ و فقہیہ و عملیہ آقائی مدظلہ منقسم ہے دو جلد کتاب الطہارۃ و کتاب الصلوٰۃ۔
چونکہ کتاب عملیہ جامع مسائل عام البلوی درخواست اکثر مقلدین سے ہوتی تھی لہذا
بغرض افادہ آپنے مذکورہ کتاب کو تالیف فرمایا ہے جسکا ترجمہ بزبان گجراتی عنقریب انشاءاللہ
طبع و شایع ہوگا۔ وغیر ذلک من الافادات المتفرقہ۔
شائقین: بتوسط عالیجناب فخر الانجاب مولوی سراج علی صاحب جوہری بلڈنگ سینڈہرسٹ
روڈ ڈونگری بمبئی نمبر ۹ سے طلب فرمائیں۔ نیز نقشہ احکام اموات مؤلفہ احقر
بھی بزبان گجراتی طبع ہوچکا ہے پتہ مذکورہ سے دستیاب ہوسکتا ہے۔
احقر عبدہ الحاج صفدر کشمیری عفی عنہ پرنسس بلڈنگ دارالعلوم نجفی چرچ اسٹریٹ
بمبئی نمبر ۹

یا ناصر من لا ناصر لہ

تذکرۂ حیات

سرکار ناصر الملۃ اعلی اللہ مقامہ

تالیف

فاضل کاظمینی

عمدۃ المتکلمین، فخر الواعظین جناب مولانا مرزا احمد حسن صاحب قبلہ
صدر الافاضل دامت فیوضہم
پروفیسر دینیات شیعہ انٹر کالج لکھنؤ

منجانب مومنین حلقہ سعادتگنج
لکھنؤ
جناب ماسٹر فدا حسین صاحب دام مجدہ نے
نظامی پریس لکھنؤ
سے چھپوا کر شایع کیا

عرضِ ناشر

سرکار حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی الانام صدر المحققین ابو الفضل نجم الدین حضرت ناصر الملۃ مولانا السید ناصر حسین صاحب قبلہ موسوی نیشاپوری اعلی اللہ مقامہ کی وفات حسرت آیات وہ سانحہ عظمیٰ اور اتباہ عظیم تھا جس کے ہمہ گیر اثر نے تمام عالم اسلامی بالخصوص تمام علمی دنیا میں بے چینی و اضطراب کی ایک لہر دوڑا دی اور بالخصوص قوم شیعہ کو تو ہندوستان سے لیکر عرب تک سوگوار بنا دیا چنانچہ دور و نزدیک کے تمام جماعات، طبقات، ادارات، اور افراد کی طرف سے اپنے اپنے تعلقات و خصوصیات کے مطابق کم و بیش اس مصیبت جانکاہ پر اظہار رنج و الم کیا گیا۔ مومنین حلقہ سعادت گنج کو سرکار مغفور سے جو اختصاص حاصل تھا وہ اسی سے ظاہر ہے کہ سرکار اس محلہ میں ۱۳۰۲ھ ہجری سے مسجد کوفہ (کاظمین) میں ہر جمعہ کو برابر نماز پڑھاتے اور موعظہ بیان فرماتے تھے۔ محلہ کا کوئی شخص ایسا نہ تھا جس پر آپ خاص شفقت نہ فرماتے ہوں۔ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے اور ہر ایک کے آڑے وقت میں کام آتے تھے۔ بچہ بچہ آپکے ان اشفاق کا رہین منت تھا۔ انھیں ذرہ نوازیوں کا یہ اثر تھا کہ جب یہ واقعہ ہائلہ رونما ہوا تو جو حالت رنج و غم کی اس محلہ میں نظر آتی تھی وہ اپنی آپ نظیر تھی۔ ہر گھر میں صف ماتم بچھی تھی۔ خواتین میں کہرام پڑا تھا اور ہر شخص یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے سر سے پدر شفیق کا سایہ اٹھ گیا ہے۔ اس مصیبت پر رنج و الم کا مظاہرہ یوں بھی کیا گیا کہ انفرادی حیثیت سے کثیر تعداد میں مجالس فاتحہ خوانی بغرض ایصال ثواب برپا کی گئیں اور یوں بھی کہ تمام مومنین حلقہ کی جانب سے مشترکہ طور پر ایک عظیم الشان مجلس فاتحہ خوانی کی بنا کی گئی۔ اس مجلس کے متعلق تمام امور کے انتظام کے متعلق سربرآوردہ حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی کا انتخاب ہوا جس کے صدر جناب حکیم سید اعظم قدر عرف بڈھن صاحب دام مجدہ خلف باشرف شفار الملک جناب حکیم میرن صاحب قبلہ قرار پائے اور بہ "قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند" کے مصداق سکریٹری شپ کا بار کمترین کے سر ڈالا گیا۔ ناچیز کی تو کیا بضاعت تھی البتہ سرکار مغفور کے روحانی برکات تھے کہ گوناگوں زحمتوں کے باوجود تمام امور بحمد اللہ باحسن وجوہ انجام پا گئے۔ حسب قرارداد کمیٹی یکم شعبان ۱۳۶۱ھ کو مسجد کوفہ میں مجلس منعقد ہوئی۔ سلطان الواعظین ملک الناطقین جناب مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی دامت برکاتہم نے بڑی کامیاب ذاکری فرمائی اگرچہ اس روز بارش ہو جانے اور "زنجیر" بجنے لگ جانے کے باعث کچھ ابتری سی پیدا ہو گئی تھی مگر پھر بھی وسیع مسجد کا تین چوتھائی حصہ سامعین سے مملو تھا مجموعی حیثیت سے مجلس بڑے شاندار و عظیم الشان پیمانے پر ہوئی۔ اس مجلس میں تقسیم حصص نہیں ہوئی

اس کے متعلق کمیٹی کی اکثریت نے تجویز کیا کہ جو رقم چندہ دیگر مصارف مجلس سے بچی ہے اس سے ایک رسالہ سرکار مغفور کے سوانح حیات پر لکھوا کر مفت تقسیم کیا جائے کیونکہ بہ نسبت حصہ مجلس کے یہ ایک کار آمد چیز اور مرحوم کی دیرپا یادگار ہوگی اور جیسا کہ خیال ہے اگر یہ رقم اس کام کے لیئے ناکافی ہو تو باقی مصارف کا بار کمیٹی کے خاص خاص افراد خود برداشت کریں۔ اس تجویز کے مطابق رسالہ لکھنے کی استدعا عمدۃ المتکلمین فخر الواعظین جناب مولانا آغا احمد حسن صاحب قبلہ صدر الافاضل پروفیسر دینیات شیعہ انٹر کالج لکھنؤ دامت برکاتہم سے کی گئی جو اس کمیٹی کے ایک ممتاز رکن بھی ہیں۔ جناب موصوف نے کمیٹی کی درخواست کو منظور فرمایا۔ خیال تھا کہ یہ رسالہ جلد شائع ہو سکے گا۔ مگر موصوف کثرت مشاغل کے باعث اس طرف مطلق توجہ نہ فرما سکے۔ یہاں تک کہ اب سرکار مرحوم کی نعش مطہر کے آگرہ جانے کا موقعہ بھی آ پہونچا۔ بالآخر بہیم تقاضوں سے متاثر ہو کر اور یہ دیکھ کر کہ اب اس کے بعد اس کام کا اور کوئی موقعہ باقی نہیں ہے کسی نہ کسی طرح آپ نے کچھ وقت نکالا اور تین چار دن میں یہ رسالہ جو مومنین کی خدمت میں ہدیہ کیا جا رہا ہے تحریر فرما دیا۔

اس رسالہ کی طباعت وغیرہ میں وقت کی تنگی ہر چیز کی گرانی اور بالخصوص کاغذ کی نایابی کے سبب جن زحمتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے وہ ناقابل بیان ہیں۔ شکر ہے کہ بعد از خرابی بسیار مومنین حلقہ سعادت گنج لکھنؤ کا یہ پیشکش ارباب ایمان کی خدمات ذاکیات میں پہونچ سکا۔ ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

آخر میں بحیثیت کمیٹی کے ایک خادم کے میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے دامے درمے سخنے قدمے کسی حیثیت سے بھی اس سلسلہ میں امداد فرمائی ہے اور خاص طور پر جناب مولانائے موصوف کا متشکر ہوں کہ ان کی کاوش قلم نے اس فرض سے سبکدوش ہونے کا موقع مجھے دیدیا۔

خادم

فدا حسین

عنوان

موسوی نژاد محقق اعظم کے اس مقدس تذکرۂ حیات کو یمن و برکت کے خیال سے انھیں کے جد امجد حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام یعنی اس امام عالی مقام کے نام نامی و اسم گرامی سے معنون کیا جاتا ہے جس کی شبیہ روضۂ اقدس کے پہلو میں منبر مسجد کوفہ پر بیٹھ کر افادات علمیہ و افاضات تحقیقیہ کرتے ہوئے انھوں نے اپنی ساری زندگی گزار دی۔

یہ پروردہائے دولت و غلامان بارگاہ یعنی مومنین حلقۂ سعادت گنج بھی اسی امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر سایہ بسے ہوئے ہیں۔ خصوصاً راقم الحروف تو اس آستانۂ مقدسہ کی پاسبانی و جبیں سائی کا شرف رکھتا ہے ان اختصاصات کی بنا پر امید واثق ہے کہ بندگان درگاہ فلک پائگاہ کی یہ عاجزانہ اور مخلصانہ التجا عتبۂ عالیہ باب الحوائج پر محروم پذیرائی نہ رہیگی۔

پروردۂ آستانۂ باب المراد

مرزا احمد حسن الکاظمینی عفی عنہ

۹ ربیع الاول سنہ ۶۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(سادات موسویہ)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وہ نسل جو حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے علاوہ دوسرے امام زادوں سے رونما ہوئی مختلف شجروں میں پائی جاتی ہے۔ انھیں میں سے ایک کا اس مقام پر ذکر کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے جن کا اسم گرامی حمزہ اور کنیت ابوالقاسم تھی۔ بڑے محترم اور جلیل القدر بزرگ تھے۔ ابن شدقم دنی اپنی کتاب "تحفۃ الازہار فی نسب ابناء آئمۃ الاطہار" میں آپ کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

کان عالما کاملا فاضلا جلیلا رفیع المنزلہ عالی المرتبۃ عظیم الحظ والجاہ والعزو الاقبال محبوبا عند الخاص والعام۔

آپ عالم کامل اور فاضل جلیل القدر تھے بڑے مرتبہ و منزلت کے اعتبار سے بلند اور جاہ و حشم و عزت و اقبال کے لحاظ سے صاحب عظمت تھے اور خاص و عام تمام لوگوں میں ہردلعزیز و محبوب تھے۔

آپ کے حالات میں اس امر کا تذکرہ بھی ملتا ہے کہ آپ اپنے برادر عالی قدر حضرت امام رضا علیہ السلام کے ساتھ مطیعانہ عقیدت و اخلاص کے طریقوں پر گامزن رہ کر ہر امر میں ان کے شریک اور ہر مقصد کے حصول میں ان کے لئے بدل کوشاں رہتے تھے۔ امام علیہ السلام بھی آپ سے بڑی محبت فرماتے تھے اور انتہائے انس کے باعث کبھی آپ کی مفارقت گوارا نہ فرماتے تھے چنانچہ جب مامون عباسی کے جابرانہ حکم سے امام کو سفر غربت اختیار کرنا پڑا تو ان جناب نے آپ کو اپنے ہمراہ رکھا۔ آپ بھی وفادارانہ جذبات کے ساتھ آخر وقت تک امام کے قدموں سے لگے رہے اور کبھی جدا نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ جب حضرت امام علیہ السلام مامون کے دست ستم سے شہید ہوئے تو ان کی شہادت کے کچھ دن بعد آپ بھی اسی ستمگار کے اشارے سے شہید کر دیے گئے

خاندان نیشاپور

جناب حمزہ کے بعد ان کی اولاد امجاد سرزمین ایران ہی میں پلتی اور بڑھتی رہی یہاں تک کہ چوتھی صدی ہجری سے ایک بڑا وسیع خاندان نظر آنے لگا۔ یہ خاندان شہر نیشاپور میں آباد تھا اور سارے ملک میں بڑی وقعت و عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ موسوی سادات کے اکثر گھرانے جو ہندوستان میں پائے جاتے ہیں وہ اسی نیشاپوری خاندان کی شاخیں ہیں جو

مختلف زمانوں میں نیشاپور سے نکل کر ہندوستان پہونچیں۔ مثلاً نواب سید محمد امین المعروف بہ نواب سعادت خاں برہان الملک بانی سلطنت اودھ کا خاندان جو اودھ اور بنگال میں پھیلا ہوا ہے اسی نیشاپوری خاندان کی ایک شاخ ہے۔ یوہیں سادات شمس آباد، برست، کرنال وغیرہ کی اصل بھی یہی نیشاپوری خاندان ہے اور اجمیر کے چشتی خاندان کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ وہ اسی نیشاپوری خاندان کی ایک شاخ ہے واللہ اعلم۔ بہرکیف انھیں خانوادوں میں سے جو نیشاپور کے مرکزی خاندان سے نکل نکل کر ہندوستان پہونچے اور شہرت و اقبال کے مدارج پر فائز ہوئے ایک ممتاز خاندان سادات کنتور کا بھی ہے جس کا مختصر تذکرہ حسب ذیل ہے۔

خاندان کنتور

امام زادہ ابوالقاسم حمزہ بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی نسل کے دسویں طبقہ میں ایک بزرگ سید شرف الدین ابوطالب نامی نظر آتے ہیں۔ یہی بزرگ کنتوری خاندان کے سلسلہ کی وہ کڑی ہیں جو اس کو نیشاپور کے اصل مرکز سے ملاتی ہے۔ آٹھویں صدی ہجری میں یہ بزرگ مع اپنے اہل و عیال کے نیشاپور سے نکل کر وارد ہندوستان ہوئے اس زمانہ میں یہاں تغلق خاندان بر سر حکومت تھا۔ سید صاحب کے ایک صاحبزادے سلطان محمد تغلق کی فوج میں ملازم ہو گئے اور بہت جلد ترقی کر کے ایک ممتاز عہدے پر سرفراز ہوئے انھوں نے اپنی افسری کے زمانہ میں چند کارہائے نمایاں کئے جس سے بادشاہ ان کی بڑی قدر و منزلت کرنے لگا اور آئے دن ان کے مراتب بلند سے بلند تر ہونے لگے۔ درباری جوڑ توڑ لگانے والے ان کی یہ روز افزوں ترقیاں دیکھ کے حسد کی آگ میں جل اٹھے اور ان کے خلاف وقتاً فوقتاً بادشاہ کے کان بھرنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک موقعہ پر دشمن اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے اور بادشاہ کو ان کی طرف سے ایسا بدظن کیا کہ اس نے انھیں بلا کر فوراً قتل کرا دیا لیکن اتفاق کی بات کہ ان کے قتل کے بعد ہی بادشاہ پر ان کی بے گناہی ثابت ہو گئی بادشاہ اپنی جلد بازی پر متاسف ہوا۔ دشمنوں کو سزا دی اور مقتول سید کے والد سید شرف الدین ابوطالب کو خلعت و جاگیر سے سرفراز کیا۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً نوسو موضع جو دریائے گھاگھرا کے دونوں کناروں پر واقع تھے انھیں جاگیر میں ملے تھے جس کا صدر مقام سید صاحب موصوف نے قصبہ کنتور کو قرار دیا جو گھاگھرا کے مغربی کنارہ پر اب تک آباد ہے۔ سید صاحب مع اپنے باقیماندہ علائق کے کنتور چلے آئے۔ بیٹے کے غم میں دنیا سے متنفر اور کنارہ کش ہو چکے تھے۔ اس لئے گوشہ نشین ہو کر باقی زندگی عبادت میں گزار دی آپ بڑے زاہد عبادت گزار اور خدا رسیدہ بزرگ تھے اور کہا جاتا ہے کہ صاحب کشف و کرامات بھی تھے۔ آپ کی قبر کنتور میں آج تک زیارت گاہ خاص و عام ہے جس پر ہزاروں کی حاجتیں قبول اور مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ سید صاحب موصوف کے بعد ان کے دوسرے صاحبزادے سید عزالدین محمد ان کے قائم مقام ہوئے ان کی بی بی خاندان ہی کی تھیں جو نیشاپور سے ان کے ہمراہ آئی تھیں کنتور میں آ کر لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ابوالمظفر علاءالدین حسین رکھا گیا۔ چونکہ یہ پہلے سید ہیں جو کنتور میں پیدا ہوئے

اور تمام سادات کنتور انھیں سے ظہور میں آئے۔ ماسوا اس کے ماں باپ دونوں کی طرف سے سیادت کا شرف انھیں حاصل تھا۔ اس لئے کنتوری شجرہ میں ان کا لقب سید السادات اور اعلیٰ بزرگ نظر آتا ہے ان القاب کی ایک اور وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ سید السادات علمی دنیا میں بھی ایک غیر معمولی حیثیت کے مالک تھے۔ بہر حال سید السادات کی نسل میں خداوند عالم نے برکت عطا فرمائی اور تھوڑے ہی عرصہ میں خاندان کثرت کے اعتبار سے بھی اتنا وسیع ہوا کہ آج اس کی شاخیں جرول بہرائچ، دیوان فتحپور، چرکھاری، لکھنؤ وغیرہ مختلف مقامات پر نظر آتی ہیں اور علمی جلالت کے لحاظ سے بھی اتنا بلند ہوا کہ علامہ غلام حسین کنتوری، جسٹس کرامت حسین، علامہ محمد قلی، حضرت فردوس مآب اور سرکار ناصر الملۃ جیسی ہستیاں اس سے معرض ظہور میں آئیں۔

اس تالیف کی غرض صرف آخر الذکر کے سوانح حیات پر ایک سرسری نظر ڈالنا ہے اس لئے تمام خاندان کا مفصل تذکرہ بے محل ہی البتہ حضرت علامہ محمد قلی اور جناب فردوس مآب کا ضمنی تذکرہ مندرجہ ذیل ہے۔

(علامہ محمد قلی علیہ الرحمہ)

خاندان کنتور کے شجرہ میں حضرت علامہ محمد قلی علیہ الرحمہ کا اسم گرامی سید السادات کی نسل کے تیرھویں طبقہ میں ملتا ہے آپ کا پورا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تک حسب ذیل ہے۔

سید محمد قلی بن سید محمد حسین بن سید حامد حسین بن سید زین العابدین بن سید محمد بن سید حسین بن سید حسین بن سید جعفر بن سید علی بن سید کبیر الدین بن سید شمس الدین بن سید جمال الدین بن سید السادات ابو المظفر علاء الدین حسین اعلیٰ بزرگ بن سید عزالدین محمد بن سید شرف الدین ابو طالب بن سید محمد المحروق بن سید حمزہ بن سید علی بن سید ابو محمد بن سید جعفر بن سید مہدی بن سید ابو طالب بن سید علی بن سید حمزہ بن ابو القاسم حمزہ بن حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام۔

نسب عالی کے اس سلسلۃ الذہب کی ہر فرد جوہر فرد معلوم ہوتی ہے مگر افسوس زمانہ کی دستبرد نے ان مقبولان کے علمی آثار محو کر کے ہم کو ان کی پوری معرفت سے محروم کر دیا اب اگر کچھ تھوڑا بہت پتہ چلتا ہے تو ان اڑے مٹے نشانات سے جو علماء کی تحریروں میں کہیں کہیں ان ذوات مقدسہ کے متعلق نظر آجاتے ہیں مثلاً حضرت علامہ مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ اور دیگر علمائے عظام اعلی اللہ مقامہم نے بعض بعض مقامات پر ضمناً سید السادات کی مدح سرائی فرمائی ہے یا خود حضرت علامہ محمد قلی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے تاریخ کنتور میں اپنے دادا جناب سید حامد حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ کی جلالت علمی پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔ بہر حال یہ امر مسلم ہے کہ یہ خاندان ہمیشہ سے علم و ادب اور دین و ملت کا خدمت گزار رہا ہے حضرت علامہ محمد قلی صاحب علیہ الرحمہ اسی خاندان کی ایک نامور فرد تھے آپ کی ولادت ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ ہجری میں بمقام کنتور ہوئی۔ آپ کے والد ماجد بھی ایک ذی علم بزرگ تھے۔ اور

فضلائے عصر میں سے شمار ہوتے تھے ان کے زیر سایہ آپ نے تربیت پائی۔ کتب درسیہ مختلف فضلائے زمانہ سے پڑھیں لیکن علوم دینیہ حضرت غفرانمآب علیہ الرحمہ سے حاصل فرمائے اور اجتہاد و تحقیق کے بلند درجات پر فائز ہوئے۔ خصوصاً علم کلام میں تو بے نظیر اور شہرۂ آفاق ہوئے۔ تحصیل علوم کے بعد آپ میرٹھ میں منصب عدالت پر مقرر ہو کر صدر الصدور ہوئے اور عرصہ دراز تک وہیں رہ کر کار عدالت انجام دیتے رہے آخر عمر میں لکھنؤ مراجعت فرمائی اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے یہاں تک کہ ۹ محرم ۱۲۶۰ھ ہجری میں انتقال فرمایا۔ اور حسینیہ غفرانمآب میں مدفون ہوئے۔ آپ کی تصنیفات بہت سی ہیں لیکن چند مشہور اور لاجواب تصنیفیں جن سے آپ کی عظمت و جلالت نمایاں ہوتی ہے یہ ہیں۔ فتوحات حیدریہ، تاریخ کنتور، عدالت علویہ، سیف ناصری، تقلیب المکاید، برہان السعادۃ، تشیید المطاعن، مصارع الافہام، تقریب الافہام، رسالہ تقیہ وغیرہ علمائے کبار نے آپ کے علم و فضل اور آپ کے تصانیف عالیہ کی بڑی مدح ثنا فرمائی ہے۔ آپ نے اپنے بعد تین فرزند چھوڑے جو دنیائے علم میں بڑے نامور ہوئے۔ ایک مولانا سراج حسین صاحب قبلہ دوسرے مولانا اعجاز حسین صاحب قبلہ اور تیسرے حضرت فردوس مآب علامہ حامد حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہم

(حضرت فردوس مآب رح)

جناب فردوس مآب حضرت علامہ سید حامد حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ حضرت علامہ محمد قلی صاحب علیہ الرحمہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت ۵ محرم ۱۲۴۶ھ میں بمقام میرٹھ ہوئی۔ تعلیم کا ابتدائی حصہ اپنے والد ماجد سے حاصل کیا لیکن چودھویں برس سایہ پدری سر سے اٹھ گیا تو اس زمانہ کے مشاہیر علماء، جناب مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ شوستری، جناب سید العلماء علامہ سید حسین صاحب قبلہ اور جناب سلطان العلماء علامہ سید محمد صاحب قبلہ رضوان اللہ علیہم سے شرف تلمذ حاصل کیا اور بہت جلد اخذ و تحصیل کی حدیں ختم کر کے منصب اجتہاد پر فائز ہونے کے بعد تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے اپنے والد ماجد کی ان تصنیفوں کو اٹھایا جو اب تک شائع نہیں ہوئی تھیں۔ فتوحات حیدریہ، رسالہ تقیہ، اور تشیید المطاعن کے مسودات بے ترتیب پڑے تھے عرصہ تک ان کی ترتیب و تالیف و تصحیح و تنقیح میں منہمک رہے بالآخر برسوں کی کاوش کے بعد اس مہم کو سر کیا اور وہ کتابیں شائع ہو کر مقبول خاص و عام ہوئیں۔ اسی دوران میں مخالفین کی جانب سے ایک کتاب منتہی الکلام شائع ہوئی اور ببانگ دہل یہ دعویٰ کیا گیا کہ اس کا جواب قیامت تک شیعوں کے امکان سے باہر ہے۔ اس زمانہ میں سلطنت اودھ کے حالات نہایت ابتر ہو رہے تھے اسلئے مشاہیر علماء اس کی طرف متوجہ نہ ہو سکے مگر آپ نے یہ بار اپنے سر اٹھایا، اور چند ماہ کے عرصہ میں کتاب استقصاء الافحام تصنیف فرما کے منتہی الکلام کی دھجیاں اڑا دیں مخالف و موالف سب محو حیرت ہو گئے اور اگرچہ مخالفین نے بہت کچھ سر مارا لیکن آج تک اس کا کوئی جواب نہ لکھا گیا۔ اس کے بعد آپ نے ایک اور مبسوط کتاب شوارق النصوص کئی ضخیم جلدوں میں تحریر فرمائی جس پر دوست دشمن سب سے خراج تحسین حاصل کیا۔ پھر اور چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف ہوتی رہیں جنہیں کی ہر ہر کتاب معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے مگر سب سے آخر میں جو کتاب آپ نے تصنیف فرمائی یعنی عبقات الانوار اس نے تو ہندوستان سے لیکر عرب تک

آپکے علم وفضل کا لوہا منوادیا۔ یہی وہ عظیم الشان کتاب مستطاب ہے جس نے آپ کو ان اساطین ارکان مذہب کی صف میں لا کے کھڑا کر دیا ہے جن پر دین کا دارومدار ہے اور جن کی عدیم المثال تصنیفیں مذہب شیعہ کی آیت وحجت سمجھی جاتی ہیں اس کتاب کے متعدد مجلدات آپنے تصنیف فرمائے۔ پھر بھی وہ تمام نہ ہو سکی اس سلسلہ تصنیف وتالیف میں آپنے کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ بھی جمع فرمایا جو آجتک آپ کی یادگار ہے ۱۲۹۳ھ میں جب آپ حج وزیارات عتبات عالیات سے مشرف ہوئے تو عراق وحجاز کے مشہور کتبخانوں کی تفصیلی سیر کی اور ایک ذخیرہ کتب اپنے ہمراہ لائے جس میں بیشتر کتابیں ایسی تھیں جو خاص اپنے دست مبارک سے آپنے اصل نسخوں سے نقل فرمائی تھیں۔ سفر سے مراجعت کے بعد پھر آپ تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے اور ساری زندگی اسی شغل میں گزار دی۔ آپکے خصوصیات میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپنے مشاغل تصنیف وتالیف کے سبب دنیا ومعاشرت دنیا کو بیکلخت ترک فرما دیا تھا۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں مشکل سے چار پانچ گھنٹے آپکے تمام ضروریات میں صرف ہوتے تھے باقی کل وقت اسی مشغلہ میں گزرتا تھا۔ بیٹھے بیٹھے جب تھک جاتے تھے تو لیٹ کر کتب بینی یا تحریر کا کام انجام دیتے تھے۔ مشہور ہے کہ بکثرت سینہ پر کتاب رکھے رہنے سے صدر مبارک پر گھٹہ پڑ گیا تھا مختصر یہ کہ آپ فنا فی العلم ہوگئے تھے۔ آخر عمر میں اس شدید محنت ومشقت کے باعث آپ کی صحت خراب ہوگئی اور گوناگوں امراض میں مبتلا ہوگئے۔ مگر اس پر بھی آپکے مشاغل میں فرق نہ آیا۔ جب بوجہ ضعف آپ خود لکھنے سے قاصر ہوجاتے تھے تو املا کے ذریعہ دوسروں سے لکھواتے تھے۔ چنانچہ وفات سے ایک روز قبل تک آپکے یہ علمی خدمات جاری رہے اور وفات کے روز بھی آپ گھر میں نہیں بلکہ کتب خانہ ہی میں تھے اور وہیں انتقال فرمایا۔

آپکے تصانیف عالیہ کثیرہ میں سے چند حسب ذیل ہیں۔ استقصاء الافحام، شوارق النصوص، عبقات الانوار کشف المعضلات فی حل المشکلات۔ العضب البتار فی مبحث آیۃ الغار۔ افحام اہل المین فی رد ازالۃ الغین۔ النجم الثاقب فی مسئلۃ الحاجب، الدرر السنیہ فی المکاتبات العربیہ۔ زین الوسائل الی تحقیق المسائل۔ الذرائع فی شرح الشرائع، وغیرہ۔ ان میں سے اکثر کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں اور ہر کتاب آپکے فضل وکمال کی بین ثبوت ہے آپ کی وفات ۱۸ صفر ۱۳۰۶ھ کو ہوئی اور امامباڑہ غفرانمآب میں دفن ہوئے۔ آپنے اپنے بعد دو فرزند چھوڑے جو علمی جلالتوں کے اعتبار سے آپ کی پوری یادگار تھے۔ ایک مولانا ذاکر حسین صاحب قبلہ مرحوم، دوسرے سرکار ناصر الملۃ اعلی اللہ مقامہ۔

اس سلسلہ کے آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس صدی کے ایک عالم جلیل القدر کی تحریر کے ایک حصہ کا ترجمہ بھی پیش کر دیا جائے جس سے اس خاندان عالی شان کی رفعت وعزت اور خاصکر حضرت علامہ محمد قلی اور جناب فردوس مآب اعلی اللہ مقامہما کی عظمت وجلالت بخوبی نمایاں ہوجاتی ہے۔

سرکار علامہ الحاج شیخ محمد مہدی ملقب بہ شمس العلماء اعلی اللہ مقامہ جو اس صدی کے بڑے مشہور عالم جلیل المنزلت تھے اپنے بعض ماومین کو اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں۔

"تم جا سکتے ہو یا نہیں۔ اگر جا سکتے ہو تو ضرور جاؤ وہاں ایک خاندان سادات اولوالعزم کا ہے علامہ سید محمد قلی اعلی اللہ مقامہ کے فرزند مولانا سید اعجاز حسین اور علامہ سید حامد حسین اور ان کے فرزند مولانا سید ناصر حسین ایدہ اللہ

یہ خانوادہ اولاد رسول میں سے ایک بڑا گھرانا ہے اور جو خدمت اس خاندان نے مذہب حقہ اثنا عشری کی کی ہے وہ ایسی ہے کہ سید مرتضی علم الہدی علامہ حلی اور علامہ مجلسی رضوان اللہ علیہم کے بعد کوئی اس منصب جلیل پر فائز نہیں ہوا میری پہلی خواہش یہ ہے کہ میری نیابت میں علامہ سید حامد حسین ان کے برادر محترم اور ان کے والد کی قبروں کی زیارت کرنا اور میری طرف سے سورۂ فاتحہ اور قرآن مجید پڑھنا اور ان بزرگوں کی قبروں کے پاس میرے اور میری اولاد کے لئے دعا کرنا۔"

اس تحریر کے بعد حضرت علامہ محمد قلی اور جناب فردوس مآب اعلی اللہ مقامہما کے متعلق اب کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس سے بخوبی واضح ہوگیا کہ ان بزرگواروں کی علمی دنیا میں کیا حیثیت اور شان تھی اور علمائے کبار ان کی کیا منزلت سمجھتے تھے۔

سرکار ناصر الملۃ

اوپر کے بیان سے واضح ہوگیا ہوگا کہ سرکار مرحوم کس باپ کے بیٹے کس دادا کے پوتے اور کس دودمان عالیشان کے چشم وچراغ تھے۔ لیکن چونکہ یہ رسالہ آپ ہی کی ذات والاصفات کے ساتھ مخصوص اور معنون ہے اس لئے آپ کا تذکرہ فی الجملہ تفصیل سے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

ولادت واسم اقدس

آپ کی ولادت باسعادت ۱۹ جمادی الآخرہ ۱۲۸۴ھ بروز پنجشنبہ اول وقت نماز صبح بمقام لکھنؤ ہوئی یہی تاریخ حضرت اسحاق پیغمبر کی پیدائش کی تھی اس لئے آپکے عم محترم جناب مولانا سید اعجاز حسین صاحب قبلہ مرحوم نے تاریخ کی رعایت سے آپ کا نام اسحاق رکھا۔ مگر والد نامدار نے جیسے ہی آپ کی ولادت کی خوشخبری سنی بیساختہ زبان سے نکلا "میرا نام حامد حسین ہے اس بچے کا نام ناصر حسین ہونا چاہیئے"۔ لہذا یہی نام زبان زد ہوا۔ نام کے علاوہ خاندانی رسم کے مطابق کنیت بھی رکھی گئی اور لقب بھی چنانچہ کنیت آپ کی ابو الفضل ہوئی اور لقب نجم الدین قرار پایا۔ اسے حسن اتفاق کہا جائے یا حضرت فردوس مآب کی کرامت کہ جو کچھ آپ کی زبان سے نکلا وہ مستقبل کا آئینہ بن گیا۔ ناصر حسین نام رکھا تو واقعی ناصر حسین ہی ہو کے رہے۔ ابو الفضل کنیت رکھی تو ابو الفضل ہی بن کے رہے۔ نجم الدین لقب قرار دیا تو نجم دین ہی ہو کے اٹھے غرض جو لفظ منہ سے نکلی حرف بحرف پوری اتری۔

عہد طفولیت

بچپنے ہی سے آپ ایک غیر معمولی طبیعت اور خاص اوصاف کے مالک تھے۔ فطرت تو معصوموں کی کہاں ہو سکتی تھی البتہ مزاج معصوماً ضرور تھا اور ذکاوت وذہانت فہم وفراست متانت وسنجیدگی، تہذیب وشائستگی کی جھلک اسی وقت سے آپ میں نمایاں تھی۔ راب سے ارث کہئے یا ماحول کا اثر بہر حال یہ واقعہ ہے کہ عام بچوں کے طبائع کے برخلاف آپ کو لہو ولعب سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ اور اگر کبھی ہمسنوں کے اصرار سے آپ کو اسمیں شریک بھی ہونا پڑتا تھا۔ تو صرف انھیں کھیلوں میں آپ حصہ لیتے تھے جن کو لکھنے پڑھنے سے کچھ لگاؤ ہوتا تھا۔ اور اسمیں بھی آپ ایسی طباعی اور ذہانت کا مظاہرہ فرماتے تھے کہ دیکھنے والے محو حیرت ہوجاتے تھے۔

تعلیم

حضرت فردوس مآب نے آغاز ہی میں انجام کی خوبی ملاحظہ فرمائی تھی۔ اس لیے سن اقدس کے چار سال گزرتے ہی پانچویں برس یعنی ماہ رمضان ۱۲۸۵ھ میں آپ کی تعلیم شروع کرادی اب کیا تھا عقل و فہم کے جوہر کھلنے لگے۔ دوسرے بچے جو منزلیں مہینوں میں نہیں طے کرسکتے۔ وہ آپ دنوں میں طے کرنے لگے۔ یہاں تک کہ سال پلٹتے پلٹتے آپ اردو نوشت و خواند پر اچھی طرح قادر ہوگئے۔ مادری زبان ختم ہوئی تو اب فارسی و عربی کی نوبت آئی۔ مولوی لطف حسین صاحب نامی ایک بزرگوار جو افاضل میں شمار ہوتے تھے اور اچھی استعداد رکھتے تھے آپ کی تعلیم پر مقرر ہوئے درسیات کی ابتدائی کتابیں شروع ہوئیں ذہانت تو خداداد تھی ہی حافظہ بھی قدرت کا خاص عطیہ تھا۔ دونوں کی دستگیری اور مولوی صاحب موصوف کی رہنمائی سے تھوڑے ہی عرصہ میں ابتدائی تعلیم کے تمام مراحل ختم ہوگئے۔ اب ثانوی تعلیم کا وقت آیا تو حضرت فردوس مآب نے آپ کو اپنے اُستاد حضرت علامہ مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کے حلقہ تلمذ میں داخل کردیا۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ ایک بڑی جامع الکمال ہستی تھے۔ فقہ، تفسیر، اصول حدیث، تاریخ، ادب، کلام وغیرہ تمام علوم متداولہ میں آپ کو دستگاہ کامل حاصل تھی اور اردو فارسی عربی تینوں زبانوں کے آپ بڑے زبردست شاعر اور صاحب دیوان تھے۔ مختلف علوم میں آپکے تصنیفات آجتک ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مقبول خاص و عام ہیں۔ مختصر یہ کہ ہندوستان کی تاریخ میں ان جامعیت اور کمال کے لوگ بس خال ہی خال گزرے ہیں۔ جیسے حضرت مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ سرکار ناصر الملۃ اعلی اللہ مقامہ اپنے اس تلمذ پر فخر و ناز فرماتے تھے اور اکثر برسر ممبر ذکر آجاتا تھا تو آپ حضرت مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ کی شان میں ایسے کلمات ارشاد فرماتے تھے جن سے ان کی بے انتہا عظمت و جلالت نمایاں ہوتی تھی۔ بہرحال ظاہر ہے کہ جب معلم بھی ایسا ہو اور متعلم بھی ایسا تو نہ افادہ و افاضہ کی کوئی انتہا ہوسکتی ہے نہ اخذ و تحصیل کی کوئی حد۔ ایک دماغ سے سمندر اُبلتا تھا اور دوسرے دماغ میں کھنچتا چلا جاتا تھا۔ نہ دینے والے کا دل بھرتا تھا نہ لینے والے کا۔ غرض تھوڑی ہی مدت میں وہ تمام مرحلے ختم ہوگئے جن کے بعد انسان اجتہاد کی منزل پر پہونچ جاتا ہے۔

تکمیل

آپ اجتہاد کی منزل پر پہونچ چکے تھے لیکن حضرت فردوس مآب کی عالی حوصلگی ابھی آپ کو اور بلند دیکھنا چاہتی تھی تعلیم و تعلم کے مروجہ طریقے حضرت فردوس مآب کی وسیع تمناؤں کو پورا کرنے کے لیے ناکافی تھے اس لیے اُنھوں نے اس باب میں بھی اجتہاد فرمایا اور آپ کی تعلیم اپنے ہاتھ میں لے کر تکمیل کے وہ انوکھے طریقے ایجاد فرمائے کہ یہ ستارہ اگر حضرت مفتی صاحب کے ہاتھوں بڑھکر چاند بنا تھا تو اب حضرت فردوس مآب کے ہاتھوں آفتاب ہوگیا۔

طرق تکمیل

تعلیم کا عام قاعدہ یہ ہے کہ شروع میں طالب علم کو چھوٹی چھوٹی آسان کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اس کے بعد تدریجاً بڑی کتابیں اور آخر میں سب سے بڑی اور مشکل کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ اسمیں شبہ نہیں کہ عام لوگوں کے ذہنی کیفیات کے لحاظ سے یہی طریقہ مناسب بھی ہے

لیکن اس میں ایک خامی یہ ہے کہ جب انسان بڑی سے بڑی مشکل کتابوں میں کوئی مسئلہ پڑھتا ہے تو اس کے متعلق جو موشگافیاں ان بڑی کتابوں میں کی گئی ہیں اُنھیں میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے اور چھوٹی کتابوں کو نظرانداز کردینے کے سبب ان کے مصنفین کے نظریات اس کی نگاہوں کے سامنے نہیں رہتے اور اس طرح اس مسئلہ کے متعلق اس کے معلومات نہایت محدود ہوکر رہ جاتے ہیں اور بسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ ان اُلجھنوں کے سبب وہ اصل مسئلہ اور اس کی غرض و غایت اور نتیجہ ہی کو بھلا بیٹھتا ہے۔ حضرت فردوس مآب نے آپ کی ذہنی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اس طریقہ کو بدلا اور یہ صورت اختیار کی کہ جس علم کا جو مسئلہ اٹھاتے تھے اسمیں چھوٹی بڑی تمام کتابوں کے مصنفین کی عبارتیں ایک سلسلہ میں پڑھا دیتے تھے اس سے نہ صرف یہ ہوتا تھا کہ اس مسئلہ کے ہر پہلو پر روشنی پڑجاتی تھی بلکہ اس کے متعلق عہد بہ عہد مصنفین کے نظریات میں جو اختلاف ہوا ہے وہ بھی نمایاں ہوجاتا تھا اور ان مختلف نظریات میں موازنہ کرنے اور خود رائے دینے کا ملکہ بھی پیدا ہوجاتا تھا۔

یہی نہیں بلکہ حضرت فردوس مآب نے ایک اور عنوان اختیار کیا۔ بات یہ ہے کہ پڑھنے سے زیادہ پڑھانے میں دماغ روشن اور مسائل واضح سے واضح تر ہوتے ہیں اسی لیے سررشتۂ تعلیم میں اس امر کی تعلیم خاص طور پر علیحدہ دی جاتی ہے اور اس کے لیے مستقل طور پر ایک امتحان قرار دیا گیا ہے حضرت فردوس مآب نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جن مسائل کی تعلیم اسی طریقہ خاص سے جو اُنھوں نے ایجاد فرمایا تھا دے چکتے تھے تو خود طالب العلم بن کر بیٹھ جاتے تھے اور آپ سے فرماتے تھے کہ اب آپ درس دیجئے اور میں پڑھتا ہوں تب آپ بھی الامر فوق الادب کے مصداق بے تکلف مطالب و نکات علمیہ اس طرح بیان فرماتے تھے جیسے کوئی متبحر اُستاد اپنے حلقۂ تلامذہ میں بیان کرتا ہے۔ اثنائے بیان میں جابجا حضرت فردوس مآب متعلمانہ اعتراضات بھی کرتے جاتے تھے اور آپ اُستادانہ انداز میں ان کے تشفی بخش جوابات دیتے جاتے تھے۔

فراغ

یہی وہ تربیت تھی جس نے آپ کو فضل و کمال کے ان اعلیٰ مراتب پر پہونچادیا جن کی تمنا آپ کے لیے حضرت فردوس مآب کے دل میں تھی۔ آخر جب حضرت فردوس مآب نے اپنے بلند معیار پر بھی آپ کو ہر طرح کامل و اکمل پالیا تب اجتہاد کی سند عطا فرمائی دیکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ یہ تمام مراحل آپ نے اتنے کم عرصہ میں طے فرمائے کہ دوسرے لوگ اتنے عرصہ میں ابتدائی منزلیں بھی پوری طرح طے نہیں کرسکتے چنانچہ تیرھویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے یعنی سنہ ۱۳۰۰ھ میں جبکہ آپ کی عمر مبارک ۱۹ سال سے زیادہ نہ تھی آپ منصب اجتہاد و افتاء پر فائز ہوچکے تھے۔

بعد فراغ

تحصیل کا زمانہ ختم ہوا۔ اب تقسیم کا وقت آیا۔ یوں تو طالب العلمی ہی کے زمانہ سے درس و تعلیم کا مشغلہ جاری تھا۔ لیکن اب استفادہ سے چھٹی ملی تو افادہ کی حدیں اور وسیع ہوئیں کیونکہ جو پہلے چشمہ تھا وہ اب ایک دریائے زخار تھا۔ علم کے پیاسے چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور بقدر ظرف جس سے جتنا ممکن ہوا اکتساب فیض کرنے لگا۔ نہ مذہب و ملت کی تفریق تھی نہ سن و سال کی

نیز چھوٹے بڑے شیعہ سنی سب جوق جوق آتے تھے اور سیر سیراب ہو کر واپس جاتے تھے یہ زمانہ آپکے تو عنفوان شباب کا تھا مگر افادہ فائدہ اسوقت اپنے پورے شباب پر تھا دن اور رات میں مختلف علوم کی وسطی و انتہائی کتابوں کے تقریباً پندرہ سولہ سبق روزانہ ہوا کرتے تھے اگرچہ یہ نظام دوسرے کاموں کے سبب دو ڈھائی برس سے زیادہ نہیں قائم رہ سکا تاہم پانچ سات سبق روزانہ کی اوسط تو زمانہ پیری تک برقرار رہی اور دو ایک سبقوں کی تعداد تو وفات سے کچھ عرصہ قبل تک جاری رہی اسی کے ساتھ ساتھ مطالعہ کتب بھی آپکا ایک مستقل مشغلہ تھا جو زمانہ اخذ و تحصیل سے لیکر وفات کے وقت تک برابر جاری رہا۔ بہرکیف تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ ایک طرف تو یہ علوم و فنون کا وسیع خزانہ طلبگاران علم پر وقف عام بنا ہوا تھا کہ جو آتا تھا جواہر علمیہ سے دامن بھر کے اٹھتا تھا اور مالا مال ہو کر واپس جاتا تھا اور دوسری طرف کتابوں کی بیشتر اور نظر کی وسعت اس خزانہ کو نامحدود و لازوال بناتی چلی جاتی تھی۔

خطاب صدر المحققین

اس دو ڈھائی سال کی محنت نے آپکو خدا جانے کہاں سے کہاں پہونچا دیا ایک طرف تو درس و تعلیم کے مشغلہ نے گویا اس تلوار پر صیقل کر دی کہ گذشتہ دس بارہ سال کی جانفشانیوں سے جو علوم آپنے حاصل کئے تھے وہ از سر نو تازہ ہو گئے۔ دوسری طرف مطالعہ کتب نے آپکے معلومات میں جو وسعت پیدا کر دی اس کی کوئی انتہا نہ تھی گویا ابر سمندر سے پانی پی کر لدا کھڑا تھا صرف برسنے کی دیر تھی حضرت فردوسمآب نے جب یہ رنگ دیکھا کہ تحمل تمنا خاطر خواہ بار آور ہوا تو اب انھوں نے اپنی ذمہ داریوں کا بہت کچھ بار آپکے کاندھوں پر ڈال دیا چنانچہ جسقدر بھی مسائل حضرت فردوس مآب کے پاس بغرض افتاء آتے تھے اب ان سب کی جوابدہی آپ ہی کے ذمہ ہو گئی یوں ہی قریب قریب تمام امور جو حضرت فردوسمآب کی ذات سے وابستہ تھے اب ان کی نیابت میں آپکے اوپر منحصر ہو گئے۔ لیکن ان سب سے بڑھکر جو چیز خاص طور سے آپکے ذمہ عاید ہوئی وہ تصنیف و تالیف میں حضرت فردوسمآب کی امداد اور معاونت تھی

حضرت فردوسمآب عبقات الانوار کی تصنیف میں آپ سے پوری پوری مدد لینے لگے چنانچہ آپکی مشہور تالیف سبائک الذهبان جو علم رجال میں بڑی مبسوط تالیف ہے جسکی ۴۰ جلدیں ہیں آپکے اسی دور معاونت و امداد کی یادگار ہے۔ اس کتاب کا ایک بہت خاصہ حصہ حضرت فردوسمآب کی زندگی ہی میں آپنے تیار کر لیا تھا یونہی فہرست انساب سمعانی بھی آپکی اسی زمانہ کی تالیف ہے اس کے علاوہ اصل کتاب عبقات الانوار پر بھی آپنے قلم اٹھایا اور کئی سو صفحے اس طرح لکھ ڈالے کہ خود حضرت فردوس مآب محو حیرت ہو گئے یہی وہ کارنامے نمایاں تھے جنھیں دیکھکر حضرت فردوسمآب باغ باغ ہو گئے اور ان بیش بہا خدمات کے صلہ میں انھوں نے خوش ہو کر از راہ قدردانی آپکو "صدر المحققین" کا جلیل القدر خطاب عطا فرمایا۔

وعظ و تقریر

ابر جو ابتک نہیں برسا تھا نہیں برسا تھا جب برسا تو کھل کے برسا کہ جل تھل بھر دیئے اب ایک طرف شبدیز قلم زاد ہوا تو دوسری جانب توسن زبان نے بھی کنوتیاں بدلیں اور فراٹے بھرنا شروع کر دیئے یعنی تصنیف و تالیف کے مشاغل کے ساتھ ہی تشنگان شوق کے تقاضوں اور اصرار سے وعظ و خطابت کے میدان میں بھی آپ جلوہ گر ہوئے اور اس شان کے ساتھ کہ سننے والے گوش بر آواز اور دیکھنے والے محو حیرت ہو گئے۔

بعد فردوس مآب

ابتک آپکے متعلق جو کچھ بیان ہوا وہ آپکی زندگی کا وہ حصہ تھا جو حضرت فردوسمآب کے ظل عاطفت میں بسر ہوا اب آپکی حیات کا وہ حصہ زیر نظر ہے جسمیں سایہ پدری سر سے اٹھ چکا تھا۔ تکمیل کے بعد پانچ سال

تک حضرت فردوسمآب کے زیر سایہ رہکر تمام مشاغل و خاصکر عبقات کی تصنیف میں آپ ہاتھ بٹاتے رہے جب ۱۳۰۶ھ میں انھوں نے رحلت فرمائی تو آپ کی عمر مبارک اسوقت صرف بائیسواں سال تھا باوجود اس کے ان کی ذمہ داریوں کا تمام بار گراں پوری طرح آپنے اپنے سر اٹھایا بلکہ آگے بڑھکے تو آپکی ذمہ داریاں نہ صرف وہیں تک نہیں بلکہ وہ بڑھ گئیں جو حضرت فردوسمآب کی ذات کے ساتھ مخصوص تھیں۔

میدان عمل

حضرت فردوسمآب نے تو تصنیف و تالیف کے پیچھے گویا دنیا تج دی تھی اور معاشرتی زندگی کو بالکلیہ ترک فرما دیا تھا۔ آنا جانا تو درکنار گھر پر بھی بالعموم ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا لیکن آپ نے جب عہد پر نگاہ ڈالی تو رنگ زمانہ بدلا ہوا نظر آیا! نظام ملکی متغیر ہو جانے سے حالات کروٹ لے رہے تھے اور تہذیب و معاشرت میں ایک انقلاب عظیم رونما تھا شاہی نہ تھی اب انگریزی تھی اودھ اجڑ چکا تھا اور پرانی خو بو بھی مٹتی جا رہی تھی سارے ہندوستان میں مغربی رواج زور پکڑتا جاتا تھا اور جمہوری نظام تسلط حاصل کرتا چلا جاتا تھا۔ انگریزی زبان دنیوی ترقیوں کا معیار قرار پا چکی تھی ساری قومیں اپنی قوتیں سمیٹ کر "جہد للبقا" کے میدان میں بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں مگر غریب فرقہ شیعہ "کشمکش حیات" کی اس کارگاہ میں بہت پیچھے پڑا ہوا تھا نہ انجمن تنظیم تھی نہ اجتماع نہ کوئی رہبر تھا نہ رہنما بے مہار اونٹ کی طرح جس کا جدھر جی چاہتا تھا بڑھا چلا جاتا تھا کسی طبقہ میں غیر اقوام کے اختلاط کے سبب لغو اور بیفائدہ مراسم رائج ہو گئے تھے کسی طبقہ میں نئی تعلیم اور آزادی کے زیر اثر مذہب کے خلاف بغاوت کا تخیل پھیلنے لگا تھا طبقات کا تو کیا ذکر افراد کے درمیان وہ افراتفری پڑی تھی کہ خدا کی پناہ۔ بھائی بھائی اور باپ بیٹوں میں اتحاد خیال مفقود ہو رہا تھا غرض قوم کے تمام اجزا پریشان تھے اور ملت کی کشتی طوفانی ضرورت تھی کہ کوئی ناخدا اس منجدھار سے بیڑا پار لگائے اور منتشر ذروں کو سمیٹ کر نئے سرے سے بیدار زندگی کی روح ان میں پھونک دے لہذا یہ قرعہ فال پڑا تو آپکے نام نکلا آپنے نظر بصورت وقت حضرت فردوسمآب کی زاویہ نشینی والی روش کو خیرباد کہا اور خدا کا نام لیکر اصلاح قومی کے میدان میں قدم اٹھا دیا۔ آپکی مصروفیتیں بے اندازہ تھیں کیونکہ ایک طرف تو وہ تمام مشاغل تصنیف و تالیف و مطالعہ کتب و بیان مواعظ و جوابات مسائل جو پہلے سے جاری تھے اپر قومی ضرورتوں کے لحاظ سے عام میل جول اور نہ صرف قوم کے ہر طبقہ سے بلکہ غیر اقوام اور ارباب حکومت سے ربط و ضبط قائم رکھنا یہ گوناگوں کام کئی اور کے سپرد کئے جاتے تو انجام دہی مشکل تھی مگر آپکا نظام کار ایسا تھا کہ تمام امور کو باحسن وجوہ انجام دیتے تھے۔

اصلاح قومی

زمانہ کے تغیر اور قوم کی خستہ حالی نے جہاں آپکے دل میں درد پیدا کیا وہاں آپکے اور معاصرین کے دلوں میں بھی احساس کی لہر دوڑا دی چنانچہ جذبۂ عمل نے آپکو اور آپکے معاصرین کو قوم کی اصلاح کیلئے ایک ساتھ اٹھایا اور تعاون و اشتراک عمل کی برکتوں نے آپکو اپنے مقاصد میں کامیاب کیا۔ اس سلسلہ میں جو عظیم الشان کارنامے آپ کی مقدس زندگی کی تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھے جانیکے قابل ہیں ان کا اجمالی تذکرہ اس مقام پر کیا جاتا ہے۔

شیعہ کانفرنس

رفتار زمانہ کو دیکھتے ہوئے آپ اور آپکے معاصرین سب کے دلوں میں احساس تھا کہ قوم کے اجزاء پریشاں کی شیرازہ بندی ازحد لازمی و ضروری ہے جمہوری نظام کے دور میں جبتک ساری قوم کو ایک علم کے نیچے جمع نہ کر لیا جائے اور ایک مرکز پر سمیٹ کر متحدہ آواز نہ اٹھائی جائے حکومت کے کانوں پر جوں نہیں رینگ سکتی اور جس قوم کی کوئی آواز حکومت میں نہ ہو وہ اپنے حقوق کا تحفظ کیونکر کر سکتی ہے سامنے کی بات تھی اسلئے ہر دماغ میں چکر کھا رہی تھی لیکن ابھی یہ نہیں واضح ہو سکا تھا کہ اس اجتماع و شیرازہ بندی کی صورت کیا ہونا چاہیئے حسن اتفاق کہ آپ اور آپکے ہمعصر علماء کرام یعنی حضرت قدوۃ العلماء جناب مولانا آقا حسن صاحب قبلہ اور حضرت نجم العلماء جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہما کے خیالات میں توارد ہوا اور تمام بزرگ ایک ہی ساتھ لیکر اٹھے۔ اب کیا تھا قوم کو منہ مانگی مراد ملی اعیان و ارکان قوم نے آپ اور

آپکے دونوں جلیل القدر ساتھیوں کی آواز پر لبیک کہا اور قوم کی ایک مرکزی اور نمائندہ جماعت قومی حقوق کے تحفظ کیلئے تشکیل ہوگئی۔ یہی آل انڈیا شیعہ کانفرنس تھی جو آپ اور آپکے دونوں محترم ساتھیوں کی جانفشانیوں سے معرض وجود میں آئی اور آپ اور آپکے مقدس معاونین کی سرپرستی میں خود ترقی کی بلند منزل پر پہونچکر قومی رفتار کیلئے شمع راہ بنی۔

شیعہ یتیم خانہ

اسی سلسلہ میں آپ اور حضرت قدوۃ العلماء اور حضرت نجم العلماء نے اسکی بھی ضرورت محسوس کی کہ شیعہ یتیم بچوں کے لیے ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جہاں یہ لاوارث بچے تربیت پاکر اس قابل ہو جائیں کہ نہ صرف خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں بلکہ قوم کیلئے بھی مفید عناصر کا کام دیں چنانچہ آپ اور آپکے محترم معاصرین کی کوششوں سے آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ کی بنیاد پڑی اور جب تک آپ بقید حیات رہے اس کی سرپرستی فرماتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں بے کس بچے اس ادارہ میں تربیت پاکر ترقیوں کی راہ پر گامزن ہو گئے اور آج ہندوستان میں مشکل سے کوئی شہر ایسا نظر آئے گا جہاں اس ادارہ کے تربیت یافتہ افراد نہ موجود ہوں۔

شیعہ کالج

اسی دوران میں کہ جب آپ شیعہ کانفرنس کی ترقی و بہبودی کے لئے مصروف عمل تھے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں شیعوں کے ساتھ کچھ ایسا ناروا سلوک برتا گیا کہ آپ کو اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ شیعہ بچوں کے لیے مستقل طور پر ایک درسگاہ علیحدہ قائم کی جائے جہاں انھیں دینیات کی تعلیم بھی دی جاسکے۔ ابھی یہ خیال خیال ہی کی حد تک تھا کہ پنجاب کے ایک رئیس اعظم نواب سر فتح علی خانصاحب بہادر نے جو ایوان حکومت میں بھی بڑی عزت و وقعت کے مالک تھے اور آپ کے محاسن و کمالات کے گرویدہ ہو کر خاص معتقد ہو گئے تھے ایک موقعہ پر آپسے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ کتب خانہ ناصریہ کے لئے ایک عمارت بنوا دینا چاہتے ہیں۔ آپنے اس عنایت خاصہ پر ان کا شکریہ ادا فرماتے ہوئے ان سے کہا کہ اگر آپ کو میرا اتنا ہی خیال ہے تو میری خواہش یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ آپ کتب خانہ کی عمارت تیار کرائیں قومی درسگاہ کے لئے ایک مناسب عمارت بنوا دیں نواب صاحب موصوف نے بصمیم قلب اس کا وعدہ کیا اور وعدہ ہی نہیں بلکہ خود اس قومی درسگاہ کی تجویز کو جامۂ عمل پہنانے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ چنانچہ انھیں کی کوششوں اور آپ کی سرپرستی و نگرانی کی بدولت یہ تحریک منظر عام پر آئی اعیان ملت نے اشتراک عمل کیا۔ ایک رقم کثیر جمع ہو گئی اور حکومت کے تعاون کے ساتھ شیعہ کالج قائم ہو گیا جو آجتک اپنی شاندار عمارت میں دریائے گومتی کے کنارے موجود ہے اور ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں شیعہ بچے اس قومی کالج سے پڑھ پڑھ کر نکلتے اور شاہراہ ترقی پر گامزن ہو جاتے ہیں۔

شیعہ عربی کالج

یہ بھی شیعہ کالج ہی کا ایک شعبہ ہے مگر بلحاظ تعلیم ایک مستقل درسگاہ کی حیثیت رکھتا ہے جہاں علوم دینیہ و عربیہ کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے یہاں سے بھی ہر سال بکثرت طلبا عربی علوم کے ماہر ہو کر نکلتے ہیں۔ چنانچہ یہاں کے تربیت یافتہ بہت سے حضرات آج ہندوستان کی نمایاں ہستیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ بہر حال یہ ادارہ بھی شیعہ انٹر کالج کی طرح ہمیشہ آپ کی سرپرستی کا ممنون منت رہا ہے اور رہے گا۔

دارالتصنیف

ان ادارات کے علاوہ احکام شرعیہ اور حج و دینیات دینیہ کی عام تبلیغ و اشاعت کے لیے آپ نے ایک اور ضروری ادارہ کی بنیاد ڈالی جس کا نام دارالتصنیف والتالیف تھا اس ادارہ سے ایک رسالہ العوارف عرصہ تک جاری رہا اور مختلف گرانقدر کتابیں شایع ہوتی رہیں جن میں اکثر و بیشتر آپ کی امداد شامل ہوتی تھی مدت تک یہ ادارہ برسرکار رہا لیکن اگرچہ اب یہ ادارہ بند ہو چکا ہے تاہم جو کتابیں وہاں سے شایع ہوئی ہیں وہ آپ کی اصلاح قومی کی یادگار ہیں۔

یادگار سابقین

انھیں اقدامات میں سے جو آپنے قوم اور قومیات کو سدھارنے میں کیے ایک اہم کارنامہ یہ بھی تھا کہ آپ نے بزرگان دین اور علماء سابقین کی یادگاریں قائم فرمانے میں مختلف عنوانوں سے بڑی کوششیں کیں آپ ہمیشہ اس بات کے ساعی رہتے تھے کہ جن بزرگواروں نے دین حنیف اور فرقہ حقہ شیعہ کی خدمت گزاریاں کی ہیں ان کا نام روشن رکھا جائے۔ مثلاً حضرت غفرانمآب علیہ الرحمہ جو اودھ کے مجدد دین کہلاتے ہیں اور جن کی تصنیف عماد الاسلام علم کلام کی ایک بڑی مشہور اور بیش بہا کتاب ہے آپ ان کے ان تصانیف اور مجاہدات قلم سے بھی دنیا کو روشناس کرانا چاہتے تھے جو اب تک عام نگاہوں سے پوشیدہ تھے چنانچہ ایک واقعہ بطور مثال یہ ہے کہ جب یادگار حسینی کی تحریک قوم کے سامنے آئی تو کسی رئیس نے آپ کے پاس پانچ سو روپے بھیجے اور یہ لکھا کہ حضور یادگار حسینی کے سلسلہ میں جس طرح چاہیں اپنی رائے سے اس رقم کو صرف فرمائیں آپ نے ذمہ داران ادارہ یادگار حسینی کو وہ کل رقم بھیجدی اور اپنے کتب خانہ سے حضرت غفرانمآب علیہ الرحمہ کی تصنیف اثارۃ الاحزان جو واقعہ کربلا کے متعلق نادر اور بیش بہا کتاب ہے اور سوائے کتبخانہ ناصریہ کے اور کہیں اس کا کوئی نسخہ نہیں ہے ارسال فرمائی اور کہلا بھیجا کہ میری رائے میں اس موقع پر اس نادر کتاب کی اشاعت نہایت مستحسن ہے یہ ہیں اور بزرگان دین کے کارناموں کو بھی قوم میں زندہ کرنا آپ اپنا فرض سمجھتے تھے۔

مزار شہید ثالث

بزرگان دین کا نام روشن کرنے کے سلسلہ میں آپنے جو کارہائے نمایاں کیے ان میں سے ایک اہم ترین امر یہ ہے کہ حضرت شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ جن کی شہرہ آفاق تصنیف احقاق الحق وہ معرکہ آرا کتاب ہے جس نے باطل کی بنیادیں ہلا دیں اور آج تک اس کا جواب نہ ہو سکا اور جو اسی احقاق حق اور ابطال باطل کے سلسلہ میں مرتبہ عالیہ شہادت پر فائز ہوئے ان کا مزار مقدس گمنامی اور کس مپرسی کے عالم میں پڑا ہوا تھا سوائے اہل علم کے اور کوئی ان کے نام سے بھی واقف نہ تھا آپنے کوشش فرما کے ان کی بلند پایہ تصنیف عربی مدارس کے نصاب میں داخل کرائی اور اُن کے مزار مبارک کی طرف عام مومنین کو توجہ دلا کر اسکی اصلاح و مرمت کرائی اور وہاں شاندار مجالس کی بنا رکھی اور اب آپ ہی کی توجہات کی بدولت ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اسکی شہرت ہے ہر سال بڑے بڑے واعظین و ذاکرین مجلسیں پڑھتے ہیں جن میں دور دور سے لوگ شرکت کرنے آتے ہیں اور سال کے بارہ مہینے تمام اطراف و اکناف سے زائرین آتے اور مجلس ماتم اور تلاوت کلام الٰہی کرکے رخصت ہوتے ہیں۔

احیاء امر اہلبیت

تبلیغ و اشاعت دین کے سلسلہ میں آپنے اہلبیت طاہرین سلام اللہ علیہم کے فضائل و مصائب کی نشر و اشاعت کے بھی مختلف طریقے اختیار فرمائے عام طور پر اہلبیت طاہرین کے

فضائل و مصائب جو کچھ بیان کیے جاتے تھے وہ فقط جناب امیر علیہ السلام اور جناب امام حسین علیہ السلام تک محدود تھے آپنے ہر معصوم کی ولادت و شہادت کی تاریخوں میں مجالس و محافل قائم کیے اور لوگوں کو بھی انکی طرف توجہ دلائی اور اس امر کی ہدایت فرمائی کہ جس معصوم کی طرف جو تاریخ منسوب ہو اس دن اسی بزرگ کے فضائل و مصائب اور واقعات و حالات بیان کیے جائیں ولادت کی تاریخوں میں آپنے اپنے شرفتکدہ پر قصیدہ خوانی کی محفلیں برپا کیں جو آج تک ہوتی ہیں اور جن میں بلا امتیاز مذہب و ملت شعراء اپنے قصائد پڑھتے ہیں آپکے ان مساعی کی بدولت آج قوم کا بچہ بچہ جناب رسالتمآب سے لے کر حضرت حجۃ عجل اللہ ظہورہ تک تمام معصومین کے حالات و واقعات اور ان کے تاریخہائے ولادت و وفات سے واقف ہو گیا ہے کیونکہ اب ان تاریخوں میں بکثرت مجالس و محافل منعقد ہوتے ہیں۔

اصلاح رسوم

اغیار کے اختلاط کے باعث قوم میں بہت سی لاطائل رسمیں عرصہ دراز سے جاری تھیں خصوصاً شادی بیاہ وغیرہ میں تو بیہودہ مراسم جادہ اعتدال سے اس قدر زیادہ آگے بڑھ گئے تھے کہ قومی ترقیوں کی راہ میں حائل ہونے لگے تھے آپ نے ان کی اصلاح کی بھی کوشش فرمائی تحریراً اور تقریراً ہر طرح لوگوں کو فہمائش کی مگر چونکہ رسوم قدیمہ کا ترک کرانا ایسا امر نہ تھا جسمیں شدومد سے کام لیا جا سکتا اس لیے آپنے بھی کسی شدید اقدام سے کام نہیں لیا۔ بلکہ آہستہ آہستہ تعلیم و تلقین فرماتے رہے اور اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک بڑی حد تک آپ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو گئے۔

توسیع عزاداری

مخالف حکومت کی تنگ نظری و تعصب کی بدولت کبھی شیعوں کو آزادی سے اپنے مراسم مذہبی خاطر خواہ ادا کرنے کا موقع نہیں ملا یہی سبب تھا کہ لکھنؤ اور دیگر مقامات پر پہلے جو عزاداری سید الشہداء علیہ السلام برپا ہوتی تھی وہ نہایت محدود تھی یعنی ۱۲ محرم کے بعد زمانہ عزا ختم کر دیا جاتا تھا جب شیعوں کو اودھ کی شاہی میں فی الجملہ دم لینے کا موقع ملا تو اس میں تھوڑی توسیع ہوئی یعنی ۲۰ صفر روز چہلم تک زمانہ عزا وسیع کر دیا گیا مگر آپنے مقاصد تبلیغ و اشاعت مذہب حق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور توسیع کی اولاً ۲۸ صفر کو جو روز وفات حضرت رسول اور تاریخ شہادت حضرت امام حسن علیہ السلام ہے یوم غم قرار دے کر کربلائے تالکٹورہ لکھنؤ میں تعزیئے تابوت اور علم لے جانے کی بنا کی پھر کچھ زمانے کے بعد ۸ ربیع الاول کو بھی جو روز شہادت امام حسن عسکری علیہ السلام ہے۔ اسی زمانہ عزا سے ملحق فرمایا اور آخر عمر میں آپ ہی کے اشارے سے ۸ ربیع الاول کو آخر روز عزا ہونے کے لحاظ سے مخصوص طور پر یوم غم قرار دیا گیا چنانچہ اب اس تاریخ بکثرت تعزیے تابوت اور علم شبیہ روضہ کاظمین واقع لکھنؤ میں اُٹھ کر جاتے ہیں اور دن بھر مجلس ماتم کی بنا رہتی ہے۔ اسی سلسلہ میں آپنے کچھ ضروری امور کی اصلاح بھی فرمائی مثلاً عاشورا اربعین اور ۲۱ رمضان المبارک کو جو تعزیے اور علم وغیرہ کربلائے تالکٹورہ میں جاتے تھے ان کے جلوسوں میں نیز کربلائے مذکورہ میں اغیار کے اختلاط اور مداخلت کے سبب کچھ ایسے امور نظر آتے تھے جو ماتمداری کے منافی اور شان عزا کے خلاف تھے آپ نے بڑی جد و جہد فرماکے ان امور کا سد باب کیا اگرچہ اس سلسلہ میں بعض فتنہ انگیز مخالفین کے سبب قوم کو بڑی پریشانیوں کا مقابلہ کرنا پڑا اور چند

سال تک لکھنؤ کا امن و امان مفسدین کے سبب خطرہ میں پڑا رہا مگر آپ تمام معرکوں میں بڑی استقامت و پاداری اور صبر و سکون کے ساتھ قوم کی رہنمائی فرماتے ہوئے اپنی روحانی طاقتوں سے مخالفین کے حملوں کا مقابلہ کرتے رہے اور بالآخر حق کو فتح ہوئی اور عزاداری امام مظلوم کو آپ کی بدولت بڑی رونق حاصل ہوئی۔

محاذ حسینی

آپکے آواخر عمر میں وفات سے چند سال قبل مخالفین کی جانب سے پھر فتنہ اُٹھا اور عزاداری کے مٹانے کے لیے مدح صحابہ کا ڈھونگ رچایا گیا بڑے بڑے معرکے پڑے ہنگامے برپا ہوئے اٹھارہ ہزار کے قریب افراد قوم کو جیل جانا پڑا اور جان و مال ہر طرح کی قربانیاں دینا پڑیں اس امتحانی دور میں بھی آپ قوم کی رہنمائی بڑے حسن تدبیر کے ساتھ فرماتے رہے اور آپ کے پائے استقامت میں ذرا لغزش نہ آئی آخر آپ ہی کی بدولت یہ معرکہ بھی آپ کے ہاتھوں پر سر ہوا اور دین و دنیا دونوں میں قوم کو سرخروئی حاصل ہوئی

یادگار حسینی

سنہ ۶۱ کی حسینی یادگار منائے جانے میں بھی بڑی حد تک آپ کی امداد شامل رہی لیکن افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور اسی سال آپ کی وفات ہو گئی مگر اس وفات نے اس یادگار میں اور ایک یادگار قائم کر دی کہ اب کبھی اسے بھلایا نہیں جا سکتا۔

علمی و ادبی خدمات

اوپر جو کچھ بیان ہوا ہے یہ آپ کے وہ زرین کارنامے تھے جو قوم و قومیات کی اصلاح و ترقی کے متعلق آپ سے ظہور میں آئے ان کے علاوہ علم و ادب کے جو خدمات آپنے انجام دیے وہ بھی اندازہ سے باہر ہیں۔ معمولی سی بات یہ ہے کہ ہندوستان میں کوئی ایسا نمایاں عربی مدرسہ قوم شیعہ کا نہیں ہے جو آپ کی سرپرستی کا رہین منت نہ ہو۔ یہ آپ ہی کی سعی و کوشش کا نتیجہ تھا کہ باوجودیکہ لکھنؤ عربی ماحول سے اتنا دور واقع ہے لیکن یہاں عربی علم و ادب کی خدمت گزاری کے لیے بڑی بڑی انجمنیں قائم ہو گئیں چنانچہ آپکے عنفوان شباب میں ایک انجمن بہجۃ الادب قائم ہوئی جس کا اہتمام آپ کے برادر نسبتی جناب مولانا سید محمد مہدی صاحب ادیب مرحوم سے متعلق تھا۔ اور آپ کے اواخر عمر میں ایک دوسری عربی ادب کی مجلس نادی الادباء قائم ہوئی جس کی صدارت آپکے فرزند اکبر حضرت نصیر الملۃ مدظلہم فرماتے تھے اور انتظام و اہتمام چند سربرآوردہ افاضل کرام کے ہاتھوں ہوتا تھا جن میں ایک نمایاں ذات آپکے فرزند اصغر حضرت سعید الملۃ مدظلہم کی بھی تھی۔ ان انجمنوں میں نہایت وسیع پیمانے پر عربی شعر و شاعری کی محفلیں اور تقریر و مکالمے کی صحبتیں برپا ہوتی تھیں اور اس دوسری انجمن کی طرف سے ایک شاندار ادبی رسالہ بھی عربی زبان میں شائع ہوتا تھا آپ کی انھیں ادبی و علمی تربیتوں نے لکھنؤ کی سرزمین سے ایسے ایسے شعرا اور انشاپرداز پیدا کر دے جن کا لوہا اہل زبان تک مان گئے چنانچہ معتبر اور چشم دید بیانات سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے شاگرد رشید جناب مولانا شبیر حسین صاحب مجتہد مدظلہم نے جب عراق کے مجتہد اعظم جناب آقائے صدر کی وفات پر ان کا مرثیہ کہکر بھیجا ہے اور وہاں کے بڑے بڑے ادباء کے سامنے پڑھا گیا ہے تو وہ محو حیرت ہو گئے اور اس امر کا یقین نہیں کرتے تھے کہ یہ کسی ہندی کا کہا ہوا ہو سکتا ہے۔

اردو اور فارسی ادب پر بھی یوں ہی آپ کا احسان عظیم ہے بزم ناصری یعنی قصائد خوانی کی وہ محفلیں جو آپ کے شرفتکدہ پر منعقد ہوا کرتی ہیں انھوں نے سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کو شاعر بنا دیا اور ایسے

ایسے باکمال اہل فن دنیا کے سامنے پیش کر دیے جن کے قصائد کی آج ہمارے ہندوستان میں دھوم مچی ہے چنانچہ ملک کے مایۂ ناز شاعر اور مُسلم الثبوت استاد فن جناب عزیزؔ لکھنوی اسی بزم ناصری کے تربیت یافتہ تھے اور ایک عزیزؔ مرحوم پر کیا منحصر ہے اس تعلیم گاہ ادب نے مصر سخن کے خدا جانے کتنے عزیز پیدا کر دیے جن کے کلام کا ڈنکا چاروں طرف بج رہا ہے۔

جامعیت علوم و فنون میں آپ کو جو دستگاہ کامل حاصل تھی حق تو یہ ہے کہ راقم الحروف کیا کوئی بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا متداولہ علوم کا تو کہنا ہی کیا۔ منطق فلسفہ لغت ادب فقہ اصول کلام تاریخ حدیث تفسیر غرض جس علم کو دیکھیے اس میں آپ بادشاہ تھے غیر متداولہ علوم جن کے صحیح طور پر جاننے والے اب مفقود یا قریب بہ فقدان ہو چکے ہیں مثلاً علم الحروف علم الرمل علم الجفر علم الکیمیا علم ہیئت وغیرہ یا وہ علوم جو جدیدہ کہلاتے ہیں مثلاً جدید فلسفہ ہیئت طبیعیات، طبقات الارض وغیرہ ان میں بھی آپ مہارت تامہ رکھتے تھے اور آپ کے معلومات اتنے وسیع تھے کہ دیکھ کے حیرت ہوتی تھی اسکے علاوہ علم طب میں بھی آپ کو کافی مدخلیت تھی اور اکثر و بیشتر آپ اپنا علاج خود فرماتے تھے۔ البتہ بعض اطبا سے مشورہ فرما لیتے تھے اب ان سب چیزوں سے قطع نظر کر کے سیاسی دنیا میں آئیے تو یہاں بھی آپ کی وہ عظمت و منزلت ظاہر ہوتی ہے کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ مسٹر سید رضا علی بالقابہ جن کا شمار ہندوستان کے مایۂ ناز مدبرین میں ہوتا ہے اپنے تعزیت نامے میں جو آپ کی وفات کے موقع پر انھوں نے بھیجا تھا آپ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"سنہ ۱۹۲۹ء میں جناب مرحوم کی خوبیوں سے واقف ہونے کا تھوڑا سا موقع مجھے ملا وہ وقت تمام شیعوں کے لیے سخت امتحان کا تھا۔ جب مرحوم کے ارشاد کے بموجب مجالس شوریٰ میں میں نے شرکت کی اس عالم دار و گیر میں جو سکون بلند نظری فراخ دلی عالی حوصلگی اور اصابت رائے میں نے جناب مرحوم کی ذات میں پائی اسکی مثال پولٹیکل مسائل پر مباحثہ کے وقت میں نے بہت اونچے پولٹیکل حلقوں میں بھی نہیں پائی جناب مرحوم ہر مسئلہ کی تائید و مخالفت میں مختلف اور متضاد دلائل سُننے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے مگر تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد جس منزل پر پہونچتے تھے پھر اسپر اس طرح جمے رہتے تھے جیسے دنیا کا سب سے بڑا پہاڑ ہمالیہ اپنی بنیاد پر قائم ہے۔ خود اظہار رائے میں کبھی سبقت نہ فرماتے تھے بلکہ حاضرین کے صلاح و مشورے کو بڑے غور و توجہ سے سُنتے تھے میں نے کبھی جناب مرحوم کو مضطرب نہیں پایا۔"

مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی یوہیں اپنے تعزیت نامے میں آپ کی سیاسی عظمت کا مرثیہ پڑھا ہے۔

افسوس یہ ہے کہ نہ راقم کو فرصت ہی ہے اور نہ اس مختصر رسالہ میں گنجائش ہی ہے کہ آپ کی جامعیت علوم کے متعلق تفاصیل پیش کی جا سکیں ورنہ اسی ایک موضوع پر ایک ضخیم کتاب مدون ہو سکتی ہے لہٰذا بصد حسرت اتنا ہی کہنے پر اکتفا کی جاتی ہے کہ حق تو یہ ہے کہ محقق طوسی علیہ الرحمہ کے بعد سے لے کر اب تک اس جامعیت اور کمال کی کوئی دوسری ہستی نظر نہیں آتی اور اسی بنا پر اگر آپ کو "طوسیِ ہند" کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

شخصیت آپ کی جامعیت علوم کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا یہی وہ چیز تھی جس نے ہندوستان سے

لے کے عراق ایران اور مصر تک آپکے فضل و کمال کے جھنڈے گاڑ دیے اور بڑے بڑے علماء کا آپ کو مرجع بنا دیا جیسا کہ مولانا انیس احمد عباسی ایڈیٹر اخبار حقیقت اپنے اخبار کی اشاعت مجریہ ۲ رجب ۶۱ھ کے اڈیٹوریل میں آپکے سانحہ وفات پر اظہار رنج و الم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"مولانا ناصر حسین صاحب مرحوم کے علم و کمال کا شہرہ صرف ہندوستان ہی تک محدود نہ تھا بلکہ عراق ایران اور مصر کے علماء اکثر اہم اور پیچیدہ علمی و مذہبی مسائل میں ان سے استفادہ کیا کرتے تھے"

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر اعاظم علماء اسلام کی بے شمار تحریروں سے بطور نمونہ چند کا مختصر اقتباس ہدیۂ قارئین کیا جائے جن سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں آپ کی کیا وقعت و عظمت تھی۔

عراق کے مجتہد اعظم سرکار میرزا محمد تقی شیرازی علیہ الرحمہ جن کے احکام پر عراق سے لے کے ایران تک اور رعیت سے لے کے بادشاہ تک ہر شخص سر اطاعت خم کرتا تھا اپنے ایک مکتوب گرامی میں آپ کو تحریر فرماتے ہیں

"اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی امداد و حمایت سے ہر قسم کی بلاؤں سے محفوظ رکھے اور حضرت حجۃ عجل اللہ ظہورہ کی نظر خاص جناب پر پڑتی رہے اور دین کی بنیادوں کو مضبوط کرتے رہیں اور دین مبین کی اشاعت میں آپ کی تائید ہوتی رہے۔"

جناب علامۂ نوری علیہ الرحمہ اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مجھے بعض آنے جانے والوں سے یہ معلوم ہوا کہ جناب والا اپنے مزاج و بدن کا خیال نہیں کرتے جو آپ کے پاس خدا کی ایک امانت ہے میں آپکے اس درجہ تقلیل غذا کی خبریں کچھ اچھی نہیں سُن رہا ہوں آپ کو اپنا جسم اس قدر ضعیف نہ کرنا چاہیے۔ بار گراں کو اپنے کاندھوں پر لیے ہوئے آل محمد کے ایتام کی پرورش کر رہے ہیں اسکے لیے قوت و استعداد مزاج کے فراہم کرنے کی ضرورت ہے"

ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مجھے بیحد افسوس ہے کہ ان اطراف میں جناب عالی کی ایسی کوئی شخصیت موجود نہیں ہے جو میرے ان کاموں میں میری امداد کرے اور مجھے گمان نہیں ہے کہ کسی عصر میں بھی ایسا ہو سکے (اسی خط میں آگے بڑھ کے بطور استفادہ فرماتے ہیں) علمائے اہلسنت کے حالات میں اسمٰعیل انماطی کے حالات کو تلاش فرمائیے شاید کچھ مل جائیں ان لوگوں کے رجال کے حالات میں سے میرے پاس کچھ نہیں ہے"

حجۃ الاسلام سید اسماعیل مشہور بہ آقائے صدر علیہ الرحمہ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"کاش یہ حقیر جناب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور جناب کے علمی و عملی فیوض اور مواعظ و نصائح و فضائل و مناقب سے مستفید ہوتا رہتا"

جناب مولانا مولوی حسین میاں صاحب دام مجدہ سجادہ نشین پھلواری شریف آپ کی وفات کے موقع پر اپنے تعزیت نامے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت ناصر الملۃ کی وفات ہندوستان، عراق اور دیگر تمام ممالک اسلامیہ میں صف ماتم بچھ

علم کا آفتاب غروب ہو گیا صد افسوس آپ کے کتبخانہ کا ایک ایک گوشہ ہر کتاب کا ایک ایک ورق اور ہر نادر نسخہ کی ایک ایک سطر حضرت کی آنکھوں کی روشنی تھی ان کے تشریف لے جانے سے بینائی علم کو مند صاحب مسنا کو اور فضیلت صاحب فضل کو ڈھونڈھ رہی ہے آہ کیا زمانہ پھر ایسی شخصیت پیدا کرے گا۔ مجھے یاد ہے حضرت قبلہ و کعبہ والد ماجد نور اللہ مرقدہ کے زمانہ قیام لکھنؤ میں جب بھی میں حضرت ناصر الملۃ طیب اللہ رمسہ کی خدمت میں حاضر ہوا مجھ پر بڑی شفقت فرمائی میں حنفی المذہب صوفی المشرب ہوں فقہ حنفی کا وقار میرے دل و دماغ میں پیوست ہے مگر میں اس تحریر کے ذریعہ اقرار کرتا ہوں کہ حضرت ناصر الملۃ بڑے فقیہ تھے ایسے فقیہ اور بصیرت رکھنے والے مشکل سے ہوں گے میری نظر میں تو اس وقت نہیں ہیں میں نے ان کی شخصیت کو عراق میں اور ایران کے بندر بوشہر پر جانا الخ"

ان "مشتے نمونہ از خروارے" تحریرات علمائے اسلام سے قارئین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ آپکی شخصیت عالم اسلامی میں کتنی بلند و برتر تھی۔

سیرت

یہ تو آپ کے علم کی شان تھی اب عمل کو دیکھیے تو اس آئینہ میں اخلاق ائمہ علیہم السلام کی جھلک نظر آتی ہے تفصیل کے لیے تو ایک ضخیم دفتر بھی ناکافی ہے کیونکہ آپکے اخلاق و عادات حمیدہ اور خصائل و صفات پسندیدہ میں ایک ایک چیز بسط طلب ہے۔ زہد و ورع۔ تقویٰ و پرہیزگاری۔ شوق عبادت ذوق وظائف، توکل۔ قناعت۔ ہمت و جرأت، صبر و تحمل۔ اطمینان قلب۔ ثبات قدم۔ حق گوئی۔ راستبازی انکسار و فروتنی۔ عفو و حلم۔ رحم و کرم۔ غربا پر شفقت۔ داد و دہش۔ یتیموں۔ محتاجوں اور بے وارثوں کی اعانت و پرورش۔ استغنا و خودداری۔ امرا سے بے نیازی۔ اہل حاجت کی حاجت براری۔ وعدہ وفائی۔ ایثار مہمان نوازی۔ اہل مصیبت کی دردمندی۔ مریضوں کی عیادت۔ مظلوموں کی دلجوئی۔ دشمنوں سے حسن سلوک اہل علم کا احترام۔ طلاب سے افراط محبت۔ معاصرین کی توقیر و عزت ان کو ہمیشہ اپنے سے بڑھانے کی کوشش ترفع سے نفرت۔ نام و نمود سے اجتناب۔ چھوٹوں تک سے سلام میں سبقت۔ مزاج میں شستگی۔ نزاکت پسندی سکون و وقار۔ متانت و سنجیدگی۔ مروت و خوش خلقی۔ صلح پسندی۔ رواداری۔ سلامت روی۔ وضعداری۔ بلند ظرفی و عالی حوصلگی۔ ضبط اوقات، مداومت عمل۔ محنت و مشقت اور اسی طرح کے اور فضائل و کمالات جو آپ میں نظر آتے ہیں ان میں سے ایک ایک چیز کے لیے بیسیوں واقعات پیش نظر ہیں جو اس چھوٹے سے مقالہ میں کسی طرح نہیں سما سکتے۔

بس مختصر یہ ہے کہ آپ سیرت کی پاکیزگی کے لحاظ سے اس بلند منزل پر نظر آتے ہیں جہاں سوائے خاصان خدا کے اور کوئی دوسرا نہیں پہونچ سکتا اور یہی وہ چیز ہے جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک نائب امام کی حقیقی شان کیا ہوتی ہے۔

دیگر خصوصیات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقالہ کے آخری حصہ میں اب کچھ اور چیزوں کا تذکرہ بھی کر دیا جائے جو آپ کی ذات والا صفات کے ساتھ مخصوص نظر آتی ہیں۔

ذہن و حافظہ

ان اہم اور خصوصی چیزوں میں جو آپ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص تھیں آپ کی قوت ذہن اور حافظہ بھی تھی جس نے آپ کو سیکڑوں ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں میں ممتاز بنا دیا بالخصوص قوت حافظہ تو قدرت کا وہ خاص عطیہ تھا جس کی نظیر صدیوں تک نہیں ملتی۔ اس سلسلہ میں بے شمار قصے خاص و عام کی زبانوں پر ہیں اور خدا جانے کتنے واقعات تو خود کمترین کے مشاہدہ میں آئے ہیں قرآن مجید اور نہج البلاغہ دونوں کے آپ حافظ تھے مگر کبھی آپنے حافظ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور یہ تو کیا بڑی بڑی مبسوط اور مفصل کتابیں جیسے طبری کی تاریخ اور تفسیر شیعوں کی کتب اربعہ۔ بحار الانوار اور وسائل الشیعہ سنیوں کی صحاح ستہ اور مسانید وغیرہ ان کے بارے میں آپ کو یہ بتا دینا کچھ دشوار نہ ہوتا تھا کہ مثلاً یہ مضمون فلاں کتاب کی فلاں جلد باب اور فصل میں ہے یا یہ کہ وہاں نہیں ہے یا یہ کہ یہ مضمون فلاں سنہ کی طباعت میں تھا اور فلاں سنہ سے نکال دیا گیا (یہ اسلیئے کہ مصری مطبوعات میں کچھ عرصہ سے ترمیم و تنسیخ اور قطع و برید کا التزام کر لیا گیا ہے) یا یہ کہ یہ مضمون کن کن کتابوں میں کہاں کہاں ہے اور کن کن فقہاء اعلام نے کس کس جگہ اسے مقام استدلال میں پیش کیا ہے ظاہر ہے کہ جب ان چیزوں میں حافظہ کی یہ شان تھی تو اشعار کے حفظ میں کیا کمی ہوگی اردو فارسی اور عربی کا جو شعر ایک مرتبہ آپ کے سمع و نظر سے گزر جاتا پھر وہ زندگی بھر یاد رہتا تھا مختصر یہ کہ آپ کی ذات گرامی ایک زندہ دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) تھی کہ جس چیز کو معلوم کرنا ہوا آپ سے پوچھا اور فوراً اس کے متعلق پوری طرح معلومات حاصل ہو گئے۔ یہی سبب تھا کہ بڑے بڑے علماء کا آپ مرجع قرار پا گئے تھے اور عراق ایران اور مصر تک کے علماء آپ سے اپنی مشکلات حل کرتے تھے۔

مطالعہ کتب

کتب بینی کا شوق تو آپ کو زمانہ اخذ و تحصیل ہی سے تھا کتب درسیہ کے پڑھنے پڑھانے سے جس قدر وقت بچتا تھا وہ سب اسی میں صرف کیا جاتا تھا لیکن تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس کام کو فریضہ قرار دے لیا گیا۔ جاڑہ گرمی برسات سال کے بارہ مہینے روزانہ ۱۰ بجے دن سے لے کر ۴ بجے شام تک آپ کتب خانہ میں رہ کے کتب بینی یا تصنیف کے کام میں مصروف رہا کرتے تھے صرف جمعہ کے روز اور ولادت و شہادت معصومین کی تاریخوں میں آپ کتبخانے نہیں تشریف لے جاتے تھے باقی سال کے تمام دنوں میں اس پابندی سے آپ کتب خانے جاتے تھے کہ مدارس کے طلاب یا حکومت کے ملازمین بھی اس پابندی سے اپنے کام پر نہیں جا سکتے۔ حد یہ ہے کہ بیماری کے زمانہ میں بھی آپ کتب خانہ کا جانا اس وقت تک موقوف نہ کرتے تھے جب تک کہ اٹھنے بیٹھنے سے مجبور نہ ہو جاتے تھے چنانچہ وفات سے سات آٹھ روز قبل تک باوجودیکہ مزاج بہت ناساز تھا آپ برابر کتبخانہ جاتے رہے، جب مرض موت نے بالکل صاحب فراش بنا دیا تب کتبخانہ جانا موقوف ہوا۔ شوق کتب بینی کا یہ عالم تھا کہ شب کو بغیر مطالعہ کیے نیند نہیں آتی تھی جب کبھی بیمار ہوتے تھے اور مطالعہ سے مجبور رہتے تھے تو کتاب پڑھوا کر سنا کرتے تھے آپکے کتبخانہ میں مختلف علوم و فنون کی ہزارہا کتابیں ہیں اور ان میں سے مشکل سے ایسی چند کتابیں نکلیں گی جن پر آپکے

حواشی نہ ثبت ہوں ورنہ جس کتاب کو دیکھا جائے خواہ وہ کسی علم وفن کی ہو اسپر جا بجا آپ کے دست مبارک کے لکھے ہوئے گرانقدر حواشی نظر آتے ہیں۔

کُتبخانہ ناصریہ

اسی سلسلہ میں اگر کچھ آپکے کتب خانے کے متعلق بھی عرض کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ یہ کتب خانہ آپ کے اب وجد کی یادگار ہے اور علوم اسلامیہ کے ذخائر میں ایک نادر ذخیرہ ہے جس پر ہندوستان جتنا بھی فخر کرے کم ہے اسلیے کہ یہاں بعض وہ کتابیں ہیں جو دنیا میں اب کہیں نہیں پائی جاتیں یہ ذخیرہ ابتداءً حضرت علامہ محمد قلی علیہ الرحمہ نے جمع کیا اسکے بعد حضرت فردوس مآب نے اس میں قابل قدر اضافہ کیا انھوں نے بڑی کد وکاوش اور تفحص تلاش سے نادر نادر کتابیں فراہم کیں اس سلسلہ میں انھیں نہ صرف مال کثیر صرف کرنا پڑا بلکہ خود ممالک اسلامیہ کے کتب خانوں کی چھان بین اور اپنے دست مبارک سے نقل وکتابت کی زحمتیں بھی برداشت کرنا پڑیں ان کے وقت وفات تک اس کتب خانہ میں دس ہزار کتابیں تھیں اب آپ کی باری آئی تو آپ نے اس کتب خانہ کو خدا جانے کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔ اسلیے کہ اب اس کتبخانہ میں آپ کی بدولت تقریباً اکتالیس ہزار کتابیں بحمد اللہ موجود ہیں یوں تو اس کتب خانہ میں تقریباً ہر علم وفن کی کچھ نہ کچھ کتابیں ہیں مگر علوم اسلامیہ کی کتابوں کا ذخیرہ بہت زیادہ ہے اور یہی اس کتب خانہ کی خصوصیت اور وجہ امتیاز ہے۔ مولوی انیس احمد صاحب عباسی ایڈیٹر اخبار حقیقت اپنے اخبار (۲ رجب ۶۱ھ) میں آپ اور آپ کے کتبخانہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"ان کے علمی کمالات کا اعتراف ہر وہ شخص کرے گا خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو جو اس سے واقف ہے کہ ان کے اوقات زندگی کس طرح آخر دم تک تحصیل علم اور علمی خدمات میں صرف ہو رہے تھے ان کا شوق مطالعہ کسی خاص علم وفن تک محدود نہ تھا جس کا صحیح اندازہ کتبخانہ ناصریہ واقع کھجوا لکھنؤ کے دیکھنے سے ہی ہو سکتا ہے جہاں ہر علم وفن کی اور ہر مذاق کی سیکڑوں کتابیں مولانا مرحوم کے حاشیوں کے ساتھ موجود ہیں۔ چنانچہ آج سے تیس پینتیس سال قبل جب مصر کے مشہور عالم اور رسالہ المنار کے اڈیٹر علامہ رشید رضا ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسہ کی صدارت کرنے کے لیے تشریف لائے تو آپ کتبخانہ ناصریہ کو دیکھنے کے لیے بھی گئے اور یہاں کے علمی ذخائر دیکھ کر آپ اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ نے علامہ شبلی نعمانی مرحوم سے فرمایا کہ اگر میں ہندوستان سے بغیر اس کتبخانہ کو دیکھے واپس چلا جاتا تو میرا یہاں آنا ہی بیکار ہو جاتا۔ اکثر یورپ میں مستشرقین نے بھی اس کتب خانہ کو دیکھنے کے بعد اسکے نایاب ذخائر کتب (جس میں عربی فارسی اور اردو کی ہزارہا کتابیں شامل ہیں) کے بارے میں ایسے ہی تاثرات کیے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس نے ایک دفعہ بر سبیل تذکرہ راقم السطور کی موجودگی میں کہا تھا کہ لکھنؤ کے علمی مرکز ہونے کا سب سے بڑا ثبوت مولانا ناصر حسین صاحب کا نایاب کتبخانہ ہے۔ اس کتبخانہ کو دیکھنے کے بعد ہی مولانا مرحوم کے ذوق کتب بینی اور ان کے تبحر علمی کی وسعت بے پایاں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔"

مواعظ

علم کے ساتھ قوت بیان بھی ایک بڑی ضروری چیز ہے جس کے بغیر علم کا فائدہ ناقص ہو جاتا ہے یہ نعمت بھی آپ میں خداداد تھی اور اس فن میں بھی آپ ماہر ہی نہیں بلکہ مجتہد تھے۔ خطابت

میں بڑے بڑے باکمال پیدا ہوئے مگر آپ کی شان سب سے جداگانہ تھی نہ تو آپ کا بیان اتنا سادہ ہوتا تھا کہ بے کیف ہو جائے نہ اتنا آراستہ کہ محض لفاظی وشاعری ہو کر رہ جائے اور نہ اتنا مغلق اور پیچیدہ کہ کسی کی سمجھ ہی میں نہ آئے آپکے مواعظ اس قدر دلچسپ اور انداز خطابت اتنا دلکش ہوتا تھا کہ سننے والے محو ہو جایا کرتے تھے آپ کی تقریر نہایت پرمغز اور آپکے استدلال نہایت مستحکم ہوتے تھے مگر خدا جانے آپ کس عنوان سے انھیں پیش کرتے تھے کہ سامعین بے ساختہ پھڑک اُٹھتے تھے آپ کے مواعظ کی یہی خصوصیت تھی کہ سنتے وقت وہ ایسا ہی اثر کرتے تھے کہ جیسے کسی باکمال شاعر کا کلام سامعین کو بیچین کر دیتا ہے مگر بعد میں وہی چیزیں جو شاعرانہ خطابت معلوم ہوتی تھیں فی الحقیقت بڑی ٹھوس اور مضبوط دلیلیں ہوتی تھیں۔

عام طور پر آپکے مواعظ شبیہ مسجد کوفہ میں ہوا کرتے تھے یہ مسجد شبیہ روضہ کاظمین سے متصل واقع ہے اور اسی وقف میں داخل ہے مسجد کوفہ کی پوری تصویر ہے اور سلطان عالم واجد علی شاہ بہادر مرحوم آخر تاجدار اودھ کے زمانہ کی یادگار ہے ۱۳۰۲ھ سے آپ اس مسجد میں وعظ ارشاد فرماتے تھے اور وفات سے چند سال قبل تک جب تک کہ طاقت نے جواب نہ دیا اس کے پابند رہے ہیں بعد آپ کے فرزند اصغر حضرت سعید الملۃ مدظلہم نے آپ کی نیابت کی جو ابتک بحمد اللہ برقرار ہے۔ اس مسجد میں ہر جمعہ کو آپ اولاً نماز ظہرین پڑھاتے تھے اسکے بعد موعظہ حسنہ ہوتا تھا۔ ماہ مبارک میں روزانہ نماز اور وعظ ہوتی تھی۔ اسکے علاوہ سال کی خاص خاص تاریخوں میں آپکے مخصوص موعظے ہوتے تھے۔ ۱۳ رجب کو اور ۱۸ ذی الحجہ بروز عید غدیر آپکے مواعظ ناظم صاحب کے امامباڑہ میں ہوتے تھے ۱۵ شعبان اور ۲۵ ذیقعدہ بروز عید دحو الارض آپ کے مواعظ اسی مسجد کوفہ میں ہوا کرتے تھے، ۱۷ ربیع الاول کو ایک موعظہ پہلے اکرام اللہ خان کے امامباڑہ میں پھر ناظم صاحب کے امامباڑہ میں ہوتا تھا۔ ان موقعوں پر بڑے اجتماعات ہوتے تھے دور دور سے اہل علم استفادہ کی غرض سے آتے تھے اور جواہر علمیہ سے دامن بھر کے اُٹھتے تھے

نظام اوقات

زندگی کے ادوار کے ساتھ ہر شخص کا نظام اوقات بھی بدلتا رہتا ہے چنانچہ آپکے مشاغل میں بھی یونہی تبدیلیاں ہوئیں لیکن زمانہ پیری میں آپکا نظام اوقات جو کچھ تھا وہ یہ ہے کہ نماز صبح کے بعد آپ وظیفہ میں مشغول ہو جاتے تھے دیر تک مختلف دعائیں، زیارتیں اور خاص طور پر اعمال عاشورہ بجالاتے تھے اور اوراد و وظائف اور دیگر ضروریات سے جب آپ کو فراغت ہوتی تھی تو صاحبزادے اور صاحبزادیاں متعلقین اور متوسلین گھر کے اندر کے سب لوگ سلام کو حاضر ہوتے تھے اس وقت التزام تھا کہ کچھ دیر آپ ان لوگوں میں بیٹھ کر مختلف خانگی امور کے متعلق بات چیت کیا کرتے تھے اسی اثنا میں دسترخوان بچھتا تھا ٹھیک ۹ بجے آپ خاصہ نوش فرماتے تھے اور اس سے فراغت کے بعد ساڑھے نو بجے دولتسرا سے برآمد ہو کر نشستگاہ میں تشریف فرما ہوتے تھے عام ملاقات کا یہی وقت تھا سائلین اور اہل حاجت کا ہجوم ہوتا تھا آپ سب سے ملتے جلتے اور ان کی حاجت برآری فرماتے تھے ضروری مسائل کا جواب اسی وقت لکھواتے تھے اور اپنے دستخط و مہر سے مزین فرما کے طالبان جواب کو عنایت فرماتے یا ڈاک سے بھجواتے تھے دس بجے اور کبھی کبھی ساڑھے دس تک تمام امور سے فراغت فرما کے کتبخانے روانہ ہو جاتے تھے وہاں پہونچ کر مطالعہ اور تصنیف کے کاموں میں مصروف ہو جاتے تھے جس کمرہ میں آپ بیٹھ کر کام کرتے تھے وہاں

ملازمین کو بھی بلا ضرورت جانے کی اجازت نہ تھی تین بجے آپ تصنیف و مطالعہ کا کام ختم کر کے نماز پڑھتے تھے اور مختصر وظیفے سے فراغت کے بعد چا نوش فرماتے تھے اس وقت طالبان علم مختلف علوم کی منتہی کتابوں کے سبق پڑھتے تھے چار بجے اور کبھی کبھی ساڑھے چار بجے آپ کتب خانہ سے واپس ہوتے تھے۔ کتب خانہ کی آمد و رفت میں پاپیادہ کہیں آتے جاتے تھے فنس کی سواری زندگی بھر استعمال کرتے رہے راہ میں جو وقت کہ خالی تھا اخبارات کا مطالعہ فرماتے تھے کتبخانہ سے واپسی کے بعد نشستگاہ میں تشریف فرما ہوتے تھے اس وقت خاص خاص لوگ ملنے آتے تھے جن کیلئے پہلے سے وقت ملاقات معین ہو چکا ہوتا تھا اگر خود آپ کو کسی سے ملنے جانا ہوتا تھا تو بھی اسی وقت تشریف لے جاتے تھے دن کو جو خطوط ڈاک وغیرہ سے آتے تھے وہ بھی اسی وقت ملاحظہ فرماتے تھے اور ضروری جوابات فوراً لکھواتے تھے غرض شام تک اسی قسم کے مشاغل رہتے تھے شام کو اول وقت نماز مغربین بجماعت ہوتی تھی اسکے بعد وظیفہ سے فراغت فرما کے تھوڑی دیر مقلدین و متبعین کے درمیان تشریف فرما ہوتے تھے اور مختلف مسائل شرعیہ جو کچھ پوچھے جاتے تھے ان کے جوابات عنایت فرماتے تھے آٹھ بجے یہ صحبت برخاست ہوتی تھی اور پھر طالبان علم استفادہ کے لیے حاضر ہوتے تھے دس بجے تک مختلف سبق ہوتے تھے اسکے بعد بیت الشرف میں تشریف لے جاتے تھے اور تھوڑے سے مطالعہ کے بعد آرام فرماتے تھے پچھلے پہر خواب سے بیدار ہوتے تھے اور نوافل شب میں مشغول ہو جاتے تھے یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا تھا یہ روزمرہ کے مشاغل تھے اکثر اوقات مجالس و محافل و تقریبات شادی و نذر و ختنہ و بسم اللہ وغیرہ میں شرکت و عیادت مرضیٰ و ملاقات حکام وغیرہ کی ضرورتیں پیش آجاتی تھیں تو انھیں اوقات میں سے ان چیزوں کا وقت کچھ اس خوش اسلوبی سے نکال لیا جاتا تھا کہ سب کام بوجہ احسن انجام پا جاتے تھے اور کسی بات میں فرق نہیں آتا تھا آٹھویں دن جمعہ کو عام ملاقات سے فراغت کے بعد ہفتہ بھر کے جمع شدہ خطوط و مسائل وغیرہ کے جوابات لکھواتے تھے۔ اور اسکے بعد سہ پہر کے مسجد کوفہ کے موعظہ کے لیے تیاری فرماتے تھے اکثر و بیشتر خطوط وغیرہ کے جواب میں اس قدر تاخیر ہو جاتی تھی کہ موعظہ کے لیے کسی قسم کی تیاری نہیں فرما سکتے تھے تو فنس میں بیٹھ کر راستہ میں خطبہ تیار فرماتے تھے مسجد کوفہ میں جب سے آپکے مواعظ کی ابتدا ہوئی زندگی بھر ایک ہی آیت ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کے زیر عنوان آپنے مواعظ ارشاد فرمائے ہمیشہ آپ ایک نیا خطبہ انشا فرما کے پڑھتے تھے جس کو سن کر اہل علم سر دھنتے تھے۔

ضبط اوقات آپ اپنے وقت کے اس قدر پابند تھے کہ آپ کی پابندی وقت ضرب المثل بن گئی تھی اکثر و بیشتر یہ دیکھا گیا ہے کہ آپنے جہاں کہیں جس وقت پہنچنے کا وعدہ فرمایا نہ ایک منٹ ادھر نہ ایک منٹ اُدھر ٹھیک اسی وقت پر پہنچ گئے اس سلسلہ میں اکثر آپ کو بڑی محنت و مشقت برداشت کرنا پڑتی تھی مگر آپ اپنے ضبط اوقات میں مطلق فرق نہیں آنے دیتے تھے۔

خطابات آپ کو متعدد خطابات ملے صدر المحققین کا جلیل القدر خطاب تو ابتدا ہی میں مل گیا تھا جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب آپکے فیوض و برکات عام ہوئے اور آپکے قومی و مذہبی علمی و عملی کارناموں کا شہرہ دور دور تک پہنچا تو عراق کے مجتہد اعظم سرکار میرزا محمد تقی شیرازی علیہ الرحمہ

نے آپ کی بزرگی و جلالت کا اعتراف فرماتے ہوئے آپ کو "ناصر الملۃ" کا خطاب عطا فرمایا حکومت برطانیہ نے بھی آپ کی عظمت کا مشاہدہ کرتے ہوئے "شمس العلماء" کا سرکاری خطاب دیا خیر یہ خطاب تو بہتوں کو مل جاتا ہے دیکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ یہ خطاب دیتے وقت اس زمانہ کے صوبہ کے گورنر ہز ایکسیلنسی سر جیمس مسٹن دام اقبالہ نے آپ کو جو خط لکھا ہے اس میں آپ کے علم و فضل اور عظمت و بزرگی کی مدح سرائی کرتے ہوئے صاف صاف یہ اعتراف کیا ہے کہ "آپ کی ذات والا صفات شمس العلماء کے خطاب سے کہیں زیادہ بلند ہے مگر کیا کیا جائے کہ گورنمنٹ کے اس شعبہ میں آپ حضرات کے لیے اس سے بڑا کوئی خطاب ہی نہیں ہے"۔ عام طور پر آپ اپنی پاکیزہ نفسی اور منکسر مزاجی سے اپنے لیے کسی لقب یا خطاب کو کبھی پسند نہ فرماتے تھے لیکن محض حضرت فردوس مآب اور سرکار میرزا کی عظمت و جلالت کے لحاظ سے ان کے دیے ہوئے خطابات کو اپنے لیے باعث برکت خیال فرماتے تھے۔

محاصل و مخارج آپ کے ذرائع آمدنی یا تو حیدرآباد وغیرہ کے وظائف تھے یا آبائی زمینداری کے محاصل۔ وظائف کے تمام رقوم کتبخانہ اور تصنیف و تالیف کے اوپر صرف ہوتے تھے امور خیر کے متعلق جو رقوم آتی تھیں وہ سب مستحقین پر تقسیم ہوتی تھیں۔ ذاتی جائداد کا انتظام آپ کے بھانجے جناب مولانا سید عباس حسین صاحب قبلہ کنتوری انجام دیتے تھے اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ سب ریع اور تمام رقوم کے آپ کے بھتیجے جناب مولانا سید ساجد حسین صاحب قبلہ کے زیر اہتمام صرف ہوتی تھی آپ کی ذاتی آمدنی کا بھی زیادہ حصہ صاحبان حاجت کے اوپر صرف ہوتا تھا۔

لباس و غذا وغیرہ آپ کی معاشرت پرانی وضع کی نہایت سادہ اور معمولی طرز کی تھی مزاج میں پاکیزگی اور نزاکت بے انتہا تھی اس لیے لباس ہمیشہ نہایت صاف و پاکیزہ ہوتا تھا لیکن قیمت کے اعتبار سے کچھ زیادہ نہیں ہوتا تھا غذا وغیرہ میں بھی کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ نہایت سادہ اور معمولی غذا آپ نوش فرماتے تھے تقلیل غذا بھی آپکے خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے عرصہ دراز سے آپ ایک ہی وقت صبح کو ۹ بجے خاصہ تناول فرماتے تھے خاص طور سے آپ کو جس چیز سے شوق تھا وہ خوشبو تھی چنانچہ عطر کی شیشی ہمیشہ آپ کے ہمراہ رہتی تھی اور بالعموم مہمانوں کی تواضع بھی خاص طور پر الائچی اور عطر ہی سے کی جاتی تھی۔

تصنیف و تالیف یہ مشغلہ بھی آپ کی حیات مقدسہ کا ایک مہتم بالشان شعبہ ہے یوں تو امدادی حیثیت سے خدا جانے کتنے مقالے لکھ لکھ کر آپنے دوسروں کو دیدیے جو ان کے ہو گئے مقالے نہیں بلکہ اچھی خاصی کتابیں تقسیم ہو گئیں مگر جو کتابیں خود آپ کے نام نامی سے معنون رہیں تعداد کے اعتبار سے وہ زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہیں اور پھر ان کتابوں کی نوعیت اور آپ کے گوناگوں مشاغل زندگی کو دیکھتے ہوئے تو حقیقت یہ ہے کہ بہت زیادہ اور بہت زیادہ ہیں آپ کے تصانیف کی خصوصیت یہ ہے کہ ایک ایک کتاب علم و تحقیق کا لازوال خزانہ اور ادبی جواہر کا بے نظیر معدن ہے۔ مفصل تبصرہ کا تو محل نہیں ہے مختصر تذکرہ حسب ذیل ہے۔

المفرد فی مسئلۃ وجوب السورۃ نماز میں سورۂ الحمد کے بعد دوسرا سورہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں" اس

مسئلہ پر یہ کتاب لکھی گئی ہے جسمیں آپکے فقہی تحقیقات کے جوہر کھلے ہیں یہ آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہے جس پر حضرت مفتی میر محمد عباس صاحب قبلہ اور جناب فردوس مآب نے آپ کو اجازہ اجتہاد عطا فرمایا ہے۔

اسباغ النائل فی تحقیق المسائل یہ کتاب بھی فقہ میں ہے اور بڑی مبسوط و مفصل ہے اسکی نو جلدیں ہیں تمام ابواب فقہ میں آپ کے جو اجتہادی فتاوی و احکام ہیں ان کو اس میں جمع کیا گیا ہے یہ آپکے زمانہ شباب کی یادگار ہے اور قابل دید ہے۔

انشاء اس تالیف میں فارسی کے کچھ ادبی مضامین ہیں اور وہ خطوط ہیں جو آپ نے علمائے عراق و ایران کو وقتاً فوقتاً لکھے ہیں فی الحقیقت یہ مضامین اور خطوط تحقیقات علمیہ اور لطائف ادبیہ کے لحاظ سے ایک بیش بہا ذخیرہ ہے اور اس بات کے شایان شان ہے کہ فارسی کے اعلی امتحانات کے نصاب میں رکھا جائے۔

المنشآت العربیہ یہ آپکے عربی مضامین ادبیہ و علمیہ اور ان خطوط کا مجموعہ ہے جو آپنے علمائے ممالک اسلامیہ کو لکھے ہیں اور اس میں بھی وہ نوادر جمع ہیں جن کے لیے ضرورت ہے کہ طلاب علوم ان کو اپنا سرچشمہ بنائیں

دیوان الشعر یہ آپکے ان قصائد کا مجموعہ ہے جو فارسی عربی میں آپنے اہلبیت اطہار سلام اللہ علیہم کی شان والاشان میں وقتاً فوقتاً ارشاد فرمائے ہیں ان میں کا ایک ایک شعر گرانقدر اور بیش بہا ہے آپ کی ادبیت اور شاعری پر ایک مفصل تبصرہ کی ضرورت ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں تاہم آپ کی شعر گوئی جس معیار کی تھی اس کا اندازہ فی الجملہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ جب آپ کا قصیدہ رائیہ شایع ہوا جس کا مطلع یہ ہے۔

مالی اری لیلتی حفت بانی اری ٭ کانھا بخیاھا ذات اقمار

تو مصر و شام کے بعض ادبا نے اسکی مدح و ثنا کرتے ہوئے بعض اشعار کے متعلق یہاں تک اعتراف کیا کہ اگر یہ کلام عرب کے سب سے بڑے شاعر امرؤ القیس کے کلام کے ساتھ رکھدیا جائے تو اس کا امتیاز دشوار ہے کہ کون سا کلام آپ کا ہے اور کون سا اس کا۔

الخطب آپ کا التزام تھا کہ ہر موعظہ سے قبل ایک تازہ خطبہ بکمال فصاحت و بلاغت ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ یہ آپ کے انھیں بے شمار خطبات کا ایک وسیع مجموعہ ہے جس کی پانچ جلدیں ہیں یہ بھی ادبی نوادر میں سے ایک قابل قدر چیز اور طلبہ کے نصاب تعلیمی میں داخل ہونے کے شایان ہے۔

المواعظ یہ آپ کے چند خصوصی موعظوں کا مجموعہ ہے جو علم حکمت اور اخلاق کے جواہر بے بہا سے مملو ہے اور تشنگان شوق کے لیے چشمۂ حیوان سے کم نہیں ہے۔

مسند فاطمہ بنت الحسین جگر پارۂ حضرت سید الشہداء علیا مکرمہ حضرت فاطمہ بنت الحسین سلام اللہ علیہا سے جو جو حدیثیں ماثور ہیں ان سب کو اسی کتاب میں ایک جگہ مع تشریحی حواشی کے جمع کردیا گیا ہے یہ کتاب فن حدیث میں ایک نادر تالیف ہے جس سے آپ کی وسعت نظر اور تجربے پایاں کا پتہ چلتا ہے۔

نفحات الازہار فی مناقب الائمۃ الاطہار یہ آپ کی وہ مہتم بالشان تالیف ہے جس نے فن حدیث میں آپ کو علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے دوش بدوش لا کے کھڑا کردیا ہے۔ مناقب اہلبیت میں بڑی مبسوط کتاب ہے جسکی ۱۰ ضخیم جلدیں ہیں اور جو آپکے علم و تحقیق کے آیات کمال میں سے ایک خاص آیت ہے۔

فہرست انساب سمعانی انساب سمعانی فن رجال میں بڑی مشہور اور مبسوط کتاب ہے اس میں اکثر ایک ہی آدمی کا تذکرہ اسکے مختلف ناموں لقبوں اور کنیتوں کے ذیل میں متعدد مقامات پر ہوا ہے آپنے اس فہرست میں اس امر کو ضبط فرمایا ہے کہ کسی شخص کا تذکرہ اس کتاب میں کن ناموں کے ذیل میں کہاں کہاں کس کس جلد اور صفحہ میں ہوا ہے اس طرح اس سمندر کو آپنے گویا کوزہ میں بند کردیا ہے۔ بظاہر تو یہ دیدہ ریزی کوئی خاص چیز نہ تھی لیکن اہل فن کے نزدیک آپ کی یہ کاوش کتنی مہتم بالشان تھی اس کا اندازہ اس امر سے ہوگا کہ ایک مرتبہ ہندوستان کے ایک نامور مصنف جو سیر کی ایک کتاب لکھ رہے تھے انساب سمعانی کا مطالعہ کرنے کتب خانہ آئے آپنے کتاب ان کو دیدی اور وہ اس کے مطالعہ میں مصروف ہوگئے دن بھر کتاب دیکھا کئے مگر مطلب پورا نہ ہوا دوسرے دن پھر آکے دن بھر کتاب دیکھتے رہے مگر پھر بے نیل مرام واپس ہوئے تیسرے دن پھر کتاب دیکھتے رہے جب شام کو کتاب واپس کرنے لگے تو آپنے پوچھا "کیا شے ڈھونڈھ رہے ہیں" انھوں نے اپنا مقصد ظاہر کیا اور کہا اس جنگل میں تین دن سے سرگرداں ہوں اور منزل مقصود کا پتہ نہیں لگتا آپنے فرمایا "اچھا ٹھہریئے" اور اپنی مرتبہ فہرست منگا کر پیش کی ارشاد فرمایا اس میں آپ کو پتہ مل جائے گا چنانچہ چند منٹ میں ان کا مقصد حاصل ہوگیا۔ تب وہ بے اختیار کہہ اٹھے کہ "مولانا حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اسلام کی جو خدمت کی ہے اور علمی دنیا پر جو احسان عظیم کیا ہے اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا اور میرے لیے تو آپ خضر راہ ہیں کہ جس صحرا میں تین روز سے میں سرگشتہ تھا مجھے چشم زدن میں نکال کر منزل مقصود پر پہونچا دیا" یہ فہرست اس زمانہ کی یادگار ہے جب آپ نے تصنیف و تالیف کے کاموں میں حضرت فردوس مآب کا ہاتھ بٹانا شروع کیا تھا۔

سبائک الذہبان یہ فن رجال کی بڑی مبسوط تالیف ہے جس کی ۴۸ جلدیں ہیں اور یہ بھی آپ کی تحقیقی عرق ریزیوں کا آئینہ ہے یہ بھی اسی زمانہ کی تالیف ہے جب شروع شروع میں آپ حضرت فردوس مآب کی تصنیف و تالیف میں امداد فرماتے تھے اس کتاب میں تمام کتب رجال سے ہزارہا راویوں کے حالات جمع کئے گئے ہیں گویا یہ کتاب فن رجال کا ایک وسیع خزانہ ہے۔

اثبات رد الشمس لعلی علیہ السلام اس کتاب میں جناب امیر علیہ السلام کے لیے آفتاب نے جو رجعت کی تھی اس پر عقلی و نقلی ہر پہلو سے بڑی تحقیق کے ساتھ آپنے بحث کی ہے اور بدلائل و براہین اس بات کو ثابت کردیا ہے کہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جو عقل و نقل ہر حیثیت سے ثابت ہے۔

النجاح مسئلہ عقد ام کلثوم پر یہ ایک مختصر مگر بڑا کارآمد اور بیش بہا رسالہ ہے یہ بھی آپ کے عنفوان شباب کی یادگار ہے

افحام الاعداء والخصوم فی عقد ام کلثوم مسئلہ عقد ام کلثوم پر یہ کتاب آخر عمر کی ہے اور بڑی تحقیق سے لکھی گئی ہے جسمیں فقہی، تاریخی اور معاشرتی تحقیقات کے دریا بہائے گئے ہیں اور عقل و نقل دونوں سے اس بات کو روز روشن کی طرح واضح کردیا گیا ہے کہ عقد ام کلثوم کے متعلق جو کچھ دشمنان اہلبیت کی طرف سے بیان کیا جاتا ہے وہ خود انہی کی کتابوں سے باطل ہو جاتا ہے۔

عبقات الانوار یہ کتاب تحفہ اثنا عشریہ کے باب ہفتم کا جواب ہے جس میں صاحب تحفہ نے کچھ آیات و

احادیث پیش کرکے کہا ہے کہ شیعہ ان آیتوں اور حدیثوں سے خلافت جناب امیر پر استدلال کرتے ہیں اسکے بعد بزعم خود صاحب تحفہ نے احادیث مذکورہ کی صحت سے انکار کرتے ہوئے ان کے نیز آیات قرآنیہ کے معانی و مطالب میں بحث کی ہے اور اس امر کے ثابت کرنے کی بڑی بڑی کوششیں کی ہیں کہ ان سے خلافت جناب امیر علیہ السلام ثابت نہیں کی جاسکتی عبقات میں اسی اثنیٰ عشریہ کے ٹکڑے اڑائے گئے ہیں اس کتاب کا نام حضرت فردوس مآب کے تصانیف میں آچکا ہے یہ انھیں کی تصنیف ہے اور انکا نصب العین اس کتاب کے متعلق یہ تھا کہ چھ آیتوں میں ہر آیت پر ایک جلد اور بارہ حدیثوں میں سے ہر حدیث پر دو دو جلدیں لکھی جائیں ایک میں حدیث کی صحت ثابت کی جائے اور دوسری میں حدیث کے معنی و مطلب و تقریب استدلال کے اوپر بحث کی جائے اس طرح مجموعی تیس جلدوں میں یہ کتاب لکھی جائے۔ یہ تو نصب العین تھا مگر لائحہ عمل یہ ہوا کہ انھوں نے یہ خیال فرماتے ہوئے کہ آیات کے مباحث تو کچھ نہ کچھ اور کتابوں میں بھی عام طور سے مل سکتے ہیں لیکن احادیث کے اوپر وہ تحقیقی افادات جو ان کی زندگی بھر کی دیدہ ریزیوں کے نتائج تھے دوسری جگہ ملنا دشوار تھے کتاب مبسوط عمر قلیل معلوم نہیں کہ تمام ہو بھی یا نہیں اسلئے احادیث کے مجلدات پہلے شروع کئے حدیث ولایت حدیث نور حدیث طیر اور حدیث غدیر چار حدیثوں پر سات جلدیں تحریر ہوئیں مگر اسکے بعد جناب فردوس مآب کو جو اندیشہ تھا وہی ہوا کہ ان کی حیات نے وفا نہ کی کتاب ان کے وقت وفات ناتمام رہی لیکن خدا کے فضل کا کیا کہنا ایسے باپ کو ایسا بیٹا دیا جو علم و تحقیق و فضل و کمال میں اس سے بھی آگے بڑھ گیا۔ سرکار مرحوم نے عبقات کے متعلق وہی نصب العین اور وہی لائحہ عمل برقرار رکھا جناب فردوس مآب نے سات جلدیں لکھی تھیں آپنے حدیث منزلت۔ حدیث تشبیہ۔ حدیث مدینۃ العلم اور حدیث ثقلین چار حدیثوں پر آٹھ ضخیم جلدیں تحریر فرمائیں اور اسی آن بان اور علمی و تحقیقی شان کے ساتھ جو حضرت فردوس مآب کی تھی یہاں تک کہ انداز تحریر بھی وہی پیدا کر دیا اس بارے میں ابتداءً اکثر بڑے بڑے اہل علم کو شبہہ تھا لیکن جب ان کے سامنے آپ اور فردوس مآب دونوں کی عبارتیں رکھدی گئیں تو وہ امتیاز نہ کرسکے کہ آپ کی عبارت کون سی ہے اور فردوس مآب کی تحریر کون سی ہے بہر حال آپ کی زندگی بھی ختم ہو گئی اور کتاب ابھی تک ناتمام ہے۔ اب باری حضرت سعید الملۃ مدظلہم کی ہے یقین ہے کہ اس فتح کا سہرا انھیں کے سر بندھے خداوند عالم کے توفیقات اور بزرگوں کے برکات ان کے شامل حال رہیں یہ سعادت انھیں کی قسمت میں تھی کہ جس مہم کے سر کرنے میں ان کے اب و جد نے اپنی گرانقدر عمریں صرف فرما دیں وہ فتح مبین اُن کے دست حق پرست پر۔ انشاء اللہ ہو کے رہے گی خدا کرے وہ وقت جلد آئے کہ ان کے مساعی قلم اس عظیم الشان کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہونچائیں تاکہ اُن کے اب و جد کی محنت سوارت ہو اور وہ مقدس روحیں اپنے چمن کی بہار دیکھ کے باغ باغ ہو جائیں۔

عبقات کے لیے جو کچھ اب تک لکھا گیا ہے یہ اسکی ایک مختصر سی تاریخ تھی رہی نفس کتاب کی حقیقت اور بحیثیت تصنیف اسکی منزلت اسکے لیے ایک مبسوط تبصرہ کی ضرورت ہے جس کی یہاں قطعی گنجائش نہیں ہے البتہ مختصر طور پر جو کچھ اس بارے میں کہا جاسکتا ہے وہ اتنا کہ ممالک اسلامیہ کے بڑے بڑے اہل نظر اور ماہرین فن نے اس کتاب کو دیکھ کر یہ کہدیا ہے کہ ایسی تحقیقی کتاب آج تک علمی دنیا کی نگاہوں سے نہیں گزری تھی مصر

شام۔ حجاز۔ عراق۔ ایران۔ اور افغانستان چاروں طرف اس شہرۂ آفاق کتاب کا ڈنکا بج رہا ہے مگر اللہ ری عالی ظرفی و بلند نفسی سرکار ناصر الملۃ اعلی اللہ مقامہ کی اگرچہ آپنے حضرت فردوس مآب سے زیادہ ہی مجلدات اس کتاب کے تحریر فرمائے مگر تمام مجلدات کو والدین کے اسم گرامی سے معنون رکھا اور بھولے سے بھی کہیں پر اس کتاب کے سلسلہ میں اپنا نام نہیں آنے دیا چنانچہ بیرونی دنیا آج تک یہی سمجھتی ہے کہ تمام مجلدات حضرت فردوس مآب ہی کی تصنیف ہیں۔

وفات پیری۔ تقلیل غذا اور سولہ سترہ گھنٹے روزانہ کی محنت و مشقت ظاہر ہے کہ صحت کیونکر برقرار رہ سکتی تھی گوناگوں امراض کا ہجوم ہوا۔ طاقت روز بروز گھٹتی گئی اور امراض بڑھتے گئے علاج کہاں تک فائدہ کرتا بالآخر یکم رجب سنہ ۶۱ھ کو آپ کا سایہ عاطفت ہم سب کے سروں سے گزر گیا اور تمام قوم یتیم ہو گئی وہ دن بھی لکھنؤ میں عاشورہ سے کم نہ تھا جب یہ خبر سارے شہر میں بجلی کی طرح سے دوڑ رہی ہے کہ سرکار ناصر الملۃ نے انتقال فرمایا جس نے سُنا بے تابانہ دوڑا ہوا شریعتکدہ پر پہونچا دیکھا تو کُہرام پڑا ہے ہزارہا کا مجمع سر برہنہ چیخیں مار مار کے رو رہا تھا جب عام مومنین کی یہ کیفیت تھی تو گھر والوں کا کیا تذکرہ۔ حضرت نصیر الملۃ و سعید الملۃ مدظلہما کی جو حالت تھی دیکھی نہیں جاتی تھی بہر حال پچیس تیس ہزار کے مجمع سے جنازہ اٹھا اور بعد تجہیز و تکفین حضرت سعید الملۃ نے نماز پڑھائی اور حسب وصیت سرکار مرحوم نعش مطہر کربلائے امین الدولہ بہادر میں سونپ دی گئی۔

وصایا آپنے اپنا وصیت نامہ وفات سے برسوں قبل تیار کر لیا تھا یہ وصیت نامہ بہت سے وصایا پر مشتمل ہے جو آپ کی آبائی جائداد۔ اہل و عیال۔ احباب و اعزا۔ ملازمین و متوسلین۔ کتبخانہ اور تصانیف وغیرہ بہت سی چیزوں کے متعلق ہیں یہاں چند وصیتیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) ایک وصیت آپ نے یہ فرمائی کہ میرے ورثا، اعقاب اور احباب خوف خدا اور اتباع احکام الٰہی اختیار کریں اور میرے فراق میں جزع و فزع نہ کریں بلکہ صبر سے کام لیں۔ (۲) دوسری وصیت آپ کی یہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد مجھے کسی نئے لقب یا خطاب سے نہ یاد کریں بلکہ وہی الفاظ جو میری زندگی میں میرے لیے استعمال ہوتے تھے میرے بعد بھی استعمال ہوں۔ (۳) تیسری وصیت یہ ہے کہ میرے حالات کے تذکرہ میں مبالغہ سے کام نہ لیں اور جب کبھی میرا تذکرہ کریں تو آخر میں ایک مرتبہ سورۂ حمد اور تین مرتبہ سورہ توحید پڑھ کے اس کا ثواب مجھے بخشیں (۴) چوتھی وصیت یہ ہے کہ اگر میری موت لکھنؤ میں واقع ہو تو میری میت کو دریا پر غسل نہ دیں بلکہ کربلائے امین الدولہ بہادر میں غسل دیں اور وہیں سونپ دیں۔ اور چند روز کی سپردگی کے بعد آگرہ لے جا کر مزار شہید ثالث علیہ الرحمہ میں اس طرح دفن کریں کہ قبر زمین سے بلند نہ ہو کہ زائرین مزار مقدس کی تکلیف کا باعث بنے (۵) پانچویں وصیت یہ ہے کہ فاتحہ خوانی اور اسکے مراسم میں اقتصاد کا لحاظ رکھیں اور وہی عنوان پیش نظر رہے جو جناب فردوس مآب کی فاتحہ خوانی میں رہا ہے لکھنؤ یا کنتور کے مراسم ہرگز نہ بجا لائیں اگر میرے احباب میرے لیے ایصال ثواب کی غرض سے مجلسیں کریں تو اس میں بھی اخلاص سادگی اور اقتصاد کو پیش نظر رکھیں۔

اسی طرح اور بہت سے وصایا آپ نے کئے ہیں جن سے آپ کے نفس کی پاکیزگی اور آپ کی عظمت و جلالت مرتبہ واضح ہوتی ہے۔